

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ (سورۂ ق)

اٰفَاتُ اللِّسَانْ

یعنی زبان سے سرزد ہونے والی

بیس آفتیں

افادات

حجۃ الاسلام إمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ

انتخاب وترتیب

حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی

ناشِر

سلسلۂ مطبوعات
۷۲

اِدارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

برکات بکڈپو
Barakaath Book Depot

سلسلۂ اصلاح وتربیت ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ (سورۂ ق)

آفاتُ اللِّسان

یعنی زبان سے سرزد ہونے والی

بیس آفتیں

افادات

حُجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ

انتخاب وترتیب

حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

۷۲

سلسلۂ مطبوعات

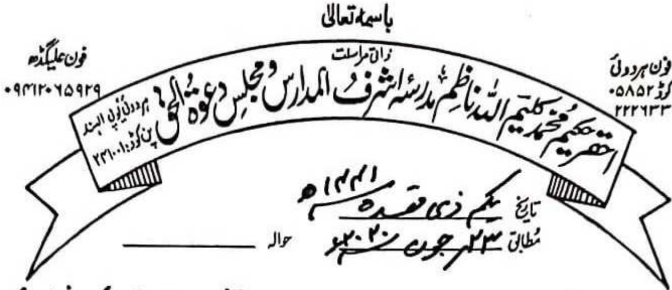
ناشر

برکات بکڈپو Barakaath Book Depot و ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

تقریظ گرامی:

محسنی و مشفقی طبیبُ الامت حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ وجانشین حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ



باسمہ تعالیٰ

فون علیگڈھ ۰۹۴۱۲۰۶۵۹۲۹

فون ہردوئی کوڈ ۰۵۸۵۲ ۲۲۲۶۳۳

زاد مراسلت

احقر حکیم محمد کلیم اللہ ناظم مدرسۂ اشرف المدارس ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی یوپی الہند پن کوڈ ۲۴۱۰۰۱

تاریخ یکم ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

مطابق ۲۳ جون ۲۰۲۰ء

حوالہ ______

عزیز مکرم مولوی عبد القوی صاحب سلّمہٗ زید رشدہٗ وفضلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عزیزم عبد المقسط سلّمہٗ کے ذریعہ آپ کی کتاب تزکیہ باطن کا مسودہ ملا مختلف مقامات سے دیکھا دلی مسرت ہوئی کہ محی السنۃ حضرت والا شاہ ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ طلباء کرام کو بچپن ہی سے بہت اہمیت کے ساتھ منورات ظاہری و باطنی اور مظلمات ظاہری و باطنی (جس کی تلخیص احقر نے منجیات و مہلکات سے کی ہے) کے یاد کروانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے ان ہی باتوں میں سے آپ نے مہلکات باطنی کی کتاب وسنت کی روشنی میں بہت عمدہ تشریح کی ہے

دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سعی کو قبول فرمائے امت کیلئے نافع اور آپ کیلئے ذریعۂ نجات بنائے اور آپ کو مزید ترقیات عطا فرمائے

والسلام

محمد کلیم اللہ عفی عنہ

نوٹ: یہ تقریظ ''تزکیہ باطن'' کے لئے لکھی گئی ہے، یہ رسالہ بھی چوں کہ اسی کا ایک حصہ ہے، اس لئے اس میں بھی برکتاً شامل کرلی گئی ہے۔

تقریظ گرامی: محترم ومکرم مولانا احمد عبید الرحمٰن اطہرؔ ندوی قاسمی صاحب زید مجدہٗ

خلیفہ طبیبُ الامت حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیماتِ اسلامی کا ایک اہم حصہ اخلاق ہے، اخلاق کا اصل تعلق انسان کے قلب سے ہے اور زبان اگر چہ ایک ظاہری عضو ہے، لیکن اس کے افعال کا اثر انسان کے قلب پر نمایاں ہوتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے ''تبلیغ دین'' میں (جو رسالۂ اربعین کا ترجمہ ہے) اخلاقِ رذیلہ کی فہرست میں زیادہ بولنے کی ہوس اور فضول گوئی کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس عادت کا قطع کرنا بہت ضروری ہے کیوں کہ یوں تو اعضاء کے تمام کاموں کا اثر قلب پر پڑتا ہے مگر زبان چوں کہ قلب کی سفیر ہے اس لئے اس کی تاثیر قلب پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے، چناں چہ اہل اللہ اور بزرگانِ دین کے پاس اصلاحِ باطن اور تزکیۂ قلب کے لئے قلت الکلام اور قلتُ الا اختلاط مع الانام کی خاص تاکید کی جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس نسخہ پر عمل سے انسان دینی و دنیوی دونوں قسم کے بے شمار مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

زیرنظر رسالہ ''آفات اللسان'' مخدوم ومکرم حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضھم نے مرتب فرمایا ہے جن کے علمی وروحانی فیض اور مختلف شعبہ جات میں نہایت قابلِ قدر دینی خدمات سے امت مستفید ہورہی ہے، انشاء اللہ یہ رسالہ بھی حضرت مولانا کی دیگر تصنیفات کی طرح امت کے لئے مفید ونافع ثابت ہوگا۔

یہ ناکارہ اس لائق نہیں کہ اس رسالہ پر کچھ تحریر کرے لیکن مولانا کے حکم پر تعمیل ارشاد میں یہ چند سطریں تحریر کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ آمین

والسلام

احمد عبید الرحمٰن اطہرؔ

خادم مدرسہ امداد العلوم وجامع مسجد، ٹین پوش حیدرآباد

۱۲/۱۱/۱۴۴۱ھ

فہرست مشمولات

پیش گفتار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ و بہ نستعین

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' شہرۂ آفاق کتاب ہے، گذشتہ ایک ہزار برس سے اُمتِ مسلمہ کے علماء وصلحاء اس کتاب سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، آج بھی امت کے علماء ــــ لاکھوں کتابیں لکھی جانے کے باوجود ــــ اس کتاب کی ضرورت سے مستغنی نہیں ہوسکے، یہ ان کے کمالِ اخلاص کی دلیل ہے، حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور بہترین جزا عطا فرمائے، آمین۔

اس کتاب کے انہوں نے چار حصے کئے ہیں، ہر ایک کا نام **رُبع** رکھا ہے، ربعِ اول عبادات سے متعلق ہے، اس میں ایمانیات کا ذکر بھی آ گیا ہے، ربعِ دوم عادات سے متعلق ہے، اس میں حقوق و آداب کا بھی ذکر ہے، ربعِ سوم مہلکات سے متعلق ہے اور ربعِ چہارم منجیات سے تعلق رکھتا ہے؛ اور ہر ربع میں دس دس کتابیں ہیں یعنی پوری کتاب کل چالیس کتابوں پر مشتمل ہے۔

میں نے رمضان المبارک میں اس کی ایک ایک کتاب پر روزانہ درس دیا تھا، رمضان کے بعد لاک ڈاؤن کی اس فرصت میں ان دروس کے جمع یا ان کتب کی تلخیص کا کام کر رہا ہوں، ایک ماہ میں ربعِ سوم ''مہلکات'' کی تلخیص و ترتیب کے کام سے بفضلہ تعالیٰ فراغت ہوگئی، احباب کے مشورے سے ارادہ یہی ہے کہ ہر ربع کی اس قدر تلخیص ہو جائے کہ بہ آسانی خریدی پڑھی جا سکے، کیوں کہ اب طبائع مطالعے سے گریزاں ہوگئی ہیں، مہلکات کو میں نے

گیارہ ابواب میں جمع کیا مگر ’’آفات اللسان‘‘ کا باب طویل ہو گیا، اس لئے کہ انہوں نے خود اس میں زبان کی ۲۰ آفتوں پر مستقل کلام کیا ہے، اس لئے احباب کی رائے ہوئی کہ اس کو بھی علاحدہ شائع کیا جائے، اس لئے اس کو مستقل شکل دے دی گئی ہے جو کہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرمائے، اُمت کے لئے نافع بنائے، مصنف اور مرتب کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔

یاد رہے کہ میں نے اس پورے کام میں اگرچہ احیاء علوم الدین کو بنیاد بنایا ہے تاہم یہ محض ترجمہ نہیں ہے، بلکہ انتخاب ہے، نیز احادیث وآیات میں اضافہ بھی کیا ہے، مراجعت وتعلیق بھی کی ہے۔

والسلام

محمد عبد القوی غفرلہٗ

۹/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفاتُ اللسان

زبان کی آفتیں

(الف)

زیادہ بولنے کے نقصانات

کھانے کی طرح بولنا بھی آدمی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، لیکن وہ بھی بہ قدرِ ضرورت ہی اچھی چیز ہے، ضرورت کے مواقع پر چُپ رہنا اور بے ضرورت بولتے رہنا یا ضرورت سے زیادہ بولنا کتاب وسنت ہی میں نہیں تمام عقلاء[1] کے نزدیک مذموم اور خلافِ وقار و شرافت ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زبان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت اور اس کی قدرتوں میں سے ایک زبردست قدرت ہے، وہ اپنے جسم کے اعتبار سے تو بہت مختصر ہے مگر اس سے سرزد ہونے والی طاعات اور معصیتیں بے انتہاء ہیں، ایمان اور کفر ــــ جو کہ طاعات اور معاصی کی انتہا ہیں ــــ کا اعتبار بھی اسی زبان کی شہادت کے بعد ہوتا ہے، نیز کوئی موجود یا معدوم، خالق یا مخلوق، مجہول یا معلوم، یقینی یا غیر یقینی چیز ایسی نہیں ہے جس سے زبان کا ــــ اثباتاً یا نفیاً ــــ تعلق نہ ہو، کیوں کہ ہر چیز کا علم سے تعلق ہے اور علم کی تعبیر زبان سے ہی کی جاسکتی ہے، یہ خصوصیت جو زبان کو حاصل ہے وہ کسی اور عضو کو حاصل نہیں ہے، دیکھئے! آنکھ کا تعلق صرف رنگوں اور شکلوں سے ہے کسی اور چیز سے نہیں ہے، کان کا تعلق صرف آوازوں سے ہے، ہاتھ کا تعلق صرف اجسام سے ہے، اسی طرح دیگر اعضا کا معاملہ ہے کہ وہ صرف

---

[1] عُقلاء: عاقل کی جمع، سمجھ دار لوگ۔

مخصوص ومحدود چیزوں سے متعلق ہیں، برخلاف زبان کے کہ وہ (علم کے واسطے سے) ہر ہر چیز سے تعلق رکھتی ہے اوراس کے لئے ہر میدان کشادہ ہے؛ اس کے دائرہ عمل کی کوئی انتہاء اور حد نہیں ہے، اس کی نیکیوں کا میدان بھی کشادہ ہے اور برائیوں کا دائرہ بھی وسیع ہے۔

جب یہ بات ہے تو ظاہر ہے کہ جو آدمی اپنی زبان کو بے لگام اور آزاد چھوڑ دے گا تو شیطان اسے ہر کسی طرف لے دوڑے گا اور جہنم کے کنارے تک پہونچا دے گا، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''آدمی کو اس کی زبان کی کمائیاں ہی اوندھے منھ جہنم میں ڈلواتی ہیں''۔ پس زبان کے شر اور اس کی بے باکیوں سے وہی آدمی محفوظ رہ سکتا ہے جو اپنی زبان پر شریعت کی لگام کس دے، اور سوائے دنیوی واُخروی منافع کی باتوں کے کوئی اور باتیں کرنے نہ دے، جس بات میں بھی دنیا یا آخرت کا نقصان ہو اس کے بولنے سے زبان کو روکے رکھے؛ اور یہ بات کہ زبان کا کن باتوں کے لئے استعمال مناسب ہے اور کن باتوں میں نامناسب ہے اس کا جاننا بہت مشکل ہے اور جان بھی لے تو اس کے مطابق عمل کرنا اس سے زیادہ دشوار ہے؛ اعضاء انسانی میں سب سے زیادہ گنہ گار زبان ہی ہے کیوں کہ اس کے چلنے میں کوئی مشقت ہے نہ خرچہ، یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کے ضرر اور آفات سے بچنے میں اکثر تساہُل اور غفلت سے کام لیتے ہیں، اس لئے اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا جائے گا۔

(احیاء علوم الدین: ۱۴۰/۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر خاموش رہتے تھے، اور جب بولنے کی ضرورت ہوتی بہت ہی جامع اور مختصر گفتگو فرماتے تھے، یہاں تک کہ کم بولنے کی اس صلاحیت کو آپ کے معجزات[۱] میں شمار کیا گیا ہے، اس عنوان کے تحت اس باب میں دراز گوئی[۲] اور زیادہ بولنے کے نقصانات پر گفتگو کی جارہی ہے۔

جنت کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

۱؎ معجزات: معجزہ کی جمع لغوی معنی دوسرے کو عاجز کردینے والی بات، اصطلاح میں نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی ایسی علامت جو اس کی نبوت پر حجت ہو۔ ۲؎ دراز گوئی: بہت بولنا۔

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ (سورۂ مریم:۶۲)

نہیں سنیں گے وہ لوگ جنت میں کوئی فضول بات، ہاں مگر سلام (یعنی اچھی باتیں)

اس آیت کے تحت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں ”مطلب یہ ہے کہ جنت میں لوگ فضول گوئی اور فحش گوئی[1] میں مبتلا نہ ہوں گے،..... (اس کو بہ طور خاص خوبی کے بیان کرنے میں) اشارہ ہے کہ لغو ولایعنی[2] میں مشغول رہنا اسلام میں ان ناپسندیدہ چیزوں میں سے ہے جن سے آدمی کو اس دنیا میں بھی ہر ممکن احتراز[3] کرنا چاہیئے۔ (روح المعانی:۱۶/ ۱۱۲)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡهِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ (سورۂ ق:۱۸)

نہیں بولتا آدمی کوئی بات مگر یہ کہ اس کے قریب ہی ایک نگراں تیار کھڑا رہتا ہے۔ (یعنی لکھ لینے کے لئے)

جیسا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، ایک اس کے داہنے مونڈھے پر ہوتا ہے دوسرا بائیں پر، یہ دونوں فرشتے برابر نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس آدمی کے ہر قول وفعل کو فوراً اعمال نامے میں لکھ لیتے ہیں، چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ آدمی ان کی نگرانی سے باہر نہیں ہوتا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۵۵﴾ (سورۃ القصص:۵۵)

(سمجھدار لوگ) جب فضول اور نامعقول باتیں سنتے ہیں تو اس سے منھ پھیر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے تمہارے لئے ہیں ہم تم کو سلام کہتے ہیں، جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

---

[1] فحش گوئی: بے حیائی اور برائی۔ [2] لغو ولایعنی: فضول اور بے مقصد۔ [3] احتراز: بچنا

ان آیات کے علاوہ بیسیوں آیات ہیں جن میں زبان کے بے جا اور بے باک استعمال کے نتیجے میں صادر ہونے والے مہلک گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی تمام آیات زیادہ بولنے کے مرض ہی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اس کے بعد اُن احادیث وآثار[۱] کو ذکر کیا جارہا ہے جس میں کثرتِ کلام کو بری عادت قرار دیا گیا اور اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے ''جو شخص پیٹ، شرم گاہ اور زبان کے شر سے بچالیا گیا وہ تمام شرور[۲] سے بچالیا گیا'' (شعب الایمان:5409) یعنی یہ تین اعضاء کی بے اعتدالیوں پر جس کو قابو نصیب ہو جائے وہ خوش نصیب آدمی ہے، اس لئے کہ اس کی برکت سے وہ سینکڑوں آفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ رہ سکے گا۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کا قیل و قال یعنی بہت باتیں کرنا اور کثرۃ السؤال یعنی بہت سوالات کرنا اور مال کو ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ ہے۔ (بخاری:1477)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنی باتوں کے سلسلے میں بھی مؤاخذہ[۳] کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''خدا تیرا بھلا کرے، لوگوں کو اوندھے منھ جہنم میں ڈلوانے والی چیزیں زبان کی کھیتی کے علاوہ اور کیا ہوتی ہیں'' (ترمذی:2616) یعنی جہنم میں جانے کا زیادہ تر سبب وہ گناہ ہیں جن کا زبان سے تعلق ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ''جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے آگے منت کرتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتی رہ، اس لئے کہ اگر تو صحیح رہی تو ہم سب صحیح رہیں گے اور اگر تو بگڑ گئی تو ہم سب بگڑ جائیں گے'' (ترمذی:2407) معلوم ہوا کہ جسم کے دیگر اعضاء کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب بھی اکثر زبان بنتی ہے، اسی لئے مارے خوف کے تمام اعضاء اس کے ہاتھ جوڑتے ہیں۔

---

[۱] آثار: صحابہ وتابعین کی باتیں۔

[۲] شرور: شَر کی جمع ہے۔ [۳] مواخذہ: پوچھنا، پکڑ میں آنا

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آدمی کے اکثر گناہ زبان سے سرزد[1] ہوتے ہیں'' (شعب الایمان: ۴/ ۲۴۰)

حضرت عمر ابن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ ''جو بہت بولتا ہے وہ بہت غلطیاں کرتا ہے، جو بہت غلطیاں کرتا ہے اس سے کثرت سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں اور جو بہ کثرت گناہ کرتا ہے اس کے لئے جہنم ہی زیادہ مناسب ہے'' (فیض القدیر: ۶/ ۲۸۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ''اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں قید میں رکھے جانے کے سب سے زیادہ قابل زبان کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے''۔ اور فرماتے تھے ''میں تم لوگوں کو بہت بولنے سے منع کرتا ہوں آدمی کو چاہئے کہ بلاضرورت ہرگز نہ بولے''

حضرت طاؤس فرماتے تھے ''میری زبان درندے[2] کی طرح ہے، ذرا آزاد چھوڑ دوں تو مجھ ہی کو کاٹ کھائے''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے ''جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرسکتا وہ اپنے دین کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا''۔

مذکورہ بالا آیات واحادیثِ شریفہ اور اکابر اسلام کی باتوں سے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ بہت بولنا، بے ضرورت بولنا اور ضرورت پر بھی ضرورت سے زائد بولنا اسلام میں سخت ناپسندیدہ اور مذموم عمل ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے، اس لئے مسلمانوں کو بالخصوص سالکینِ راہ طریقت کو اس رذیلے[3] سے بچنے کی بھرپور مشق کرنی چاہئے۔

---

۱ سرزد ہونا: نکلنا۔

۲ درندے: چیر پھاڑنے والا جانور۔

۳ رذیلہ: بُری عادت۔

(ب)

کم بولنے کے فوائد

اس کے مقابلے میں زیادہ خاموش رہنے کو ایک نیک اور پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، وہ اچھی صفت ہے اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خاموش رہنے کو عربی میں صمت اور سکوت کہتے ہیں۔ صمت کے معنیٰ ہیں باطل سے خاموش رہنا اور سکوت کے معنیٰ ہیں مطلقاً خاموش رہنا، یہاں جو فضائل بیان کئے جارہے ہین وہ صمت کے ہیں سکوت کے نہیں۔

حکیم لقمانؒ فرماتے ہیں کہ ''خاموش رہنا حکمت واحتیاط کی بات ہے مگر اس پر عمل کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص مجھے اپنی زبان اور اپنی شرم گاہ کے تحفظ کی ضمانت دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت[1] دیتا ہوں'' (بخاری:6807)

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ میرے بارے میں سب سے زیادہ کس چیز کا خوف کرتے ہیں؟ آپ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ''اس سے''

(ترمذی:2410)

ایک صحابیؓ نے آپ سے نجات کا راستہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''اپنی زبان قابو میں رکھو، زیادہ گھر میں رہا کرو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو'' (مسند احمد: ۱۴۸/۴)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''جو شخص چاہتا ہے کہ (آفات[2] و بلایا سے) محفوظ رہے تو اسے چاہئے کہ خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلے'' (فیض القدیر:8746)

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس نے زبان کو قابو میں رکھا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں'' (الجامع لشعب الایمان:7959)

---

[1] ضمانت: ذمہ داری۔ [2] آفات: آفت کی جمع ہے، مصیبت۔ بلایا: بلا کی جمع ہے مصیبت۔

امام مالکؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ''آدمی کے اسلام کا حُسن و جمال اور اس کی خوبی لایعنی (کام اور کلام) کا ترک کردینا ہے''۔
(مؤطا: ۲/ ۹۰۳)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے ایسا عمل دریافت کیا جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہوسکے؟ تو جواب میں فرمایا ''باتیں بالکل بند کردو'' اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ فرمایا ''تو پھر اس کا اہتمام کرلو کہ بس بھلی اور خیر کی بات کے علاوہ کچھ نہ بولو''

سیدنا داؤد علیہ السلام فرماتے تھے ''اگر بولنا چاندی ہے تو چُپ رہنا سونا ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ لایعنی سے بچنے کے لئے منہ میں کنکریاں ڈال رکھتے تھے۔

حکیم لقمانؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے مرتبہ تک کیسے پہونچے؟ فرمایا 'سچ بولنے اور فضول باتوں سے بچنے کی برکت سے پہونچا ہوں''۔

زمخشریؒ فرماتے ہیں: ''خاموشی برائیوں کو چھپاتی ہے اور غصے سے روکتی ہے''۔

ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں: ''اگر تم ادب آشنا ہو تو چُپ رہا کرو''۔

ابوعبیدؒ کہتے ہیں: ''خاموشی پر نادم ہونا بول کر نادم ہونے سے بہتر ہے''۔

ابوبکر خوارزمیؒ کہتے ہیں: ''جب تم سے نہ پوچھا جائے تو تم چُپ ہی رہو''۔

ابوہلال عسکریؒ فرماتے ہیں: ''خاموشی محبتوں کا سبب ہے''۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: ''خاموشی عقل کی زینت اور جہالت کا پردہ ہے''۔

اور بھی بہت سی احادیث و اثار ہیں جن سے زیادہ خاموش رہنے کی فضیلت کا علم ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج تھا اور یہی صحابہ کرامؓ کا بھی طریقہ تھا، لہٰذا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا پیارا بننا چاہتا ہے اسے چاہئے لغو و لایعنی کلام یعنی فضول باتوں سے اپنے کو بچائے اور زیادہ خاموش رہنے کی عادت ڈالے، ضرورت پر بولے اور ضرورت بہ قدر ہی بولے۔ اللہ پاک توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

(ج)

بہت بولنے کے مرض کا علاج

۱۔ زیادہ بولنے کے نقصانات اور کم بولنے کے فوائد کا استحضار رکھنا۔

۲۔ زیادہ تر ذکر اللہ اور یاد الٰہی میں مشغول رہنے کی عادت ڈال لینا۔

۳۔ صحبتِ صالحین کا اہتمام کرنا۔

۴۔ کراماً کاتبین یعنی اعمال واقوال لکھنے والے فرشتوں کا تصور کرتے رہنا کہ ہر قول جب لکھا جارہا ہے تو حساب بھی دینا ہوگا۔

۵۔ نفس کو آخرت کے مواخذے سے ڈراتے رہنا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام کرتے رہنا کہ وہ اس مرض سے نجات دے۔

۷۔ روزانہ سونے سے قبل دن بھر کی باتوں پر ایک نظر ڈال لینا، لغویات سے توبہ کرنا اور اگلے دن احتیاط کا عہد کرنا۔

اس مختصر خاکے کے بعد اب ۲۰/زبانی گناہوں کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے آفات اللسان یعنی ''زبان کی تباہ کاریاں'' اس عنوان کے تحت بیس گناہوں کا تذکرہ فرمایا ہے، گناہ کی حیثیت اور مذمومیت کی شدت کے اعتبار سے وہ کم زیادہ ہیں لیکن دین اور دنیا کو نقصان پہنچانے کے اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک مُضر ہے، اپنی آخرت کی فکر رکھنے والوں کے لئے ان سب سے بچنا نہایت ضروری ہے، ذیل میں ان کو حذف واضافات کے ساتھ مرتب انداز میں پیش کر رہا ہوں، دھیان اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ کریں......۔

(۱) بے ضرورت باتیں کرنا

جاننا چاہئے کہ آدمی کا سب سے اچھا حال یہ ہے کہ ان تمام امور سے زبان کو محفوظ رکھے جو معصیت اور گناہ کا سبب بنتے ہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ صرف وہی باتیں کرے جو اپنی یا کسی مسلمان کی ضرورت کی ہو، اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی گفتگو سے اپنی زبان بند رکھے، بے ضرورت بولنا ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے، اگرچہ کہ وہ مباح بات ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ جب اس مباح بات سے دین ودنیا کا کوئی فائدہ وابستہ نہیں ہے تو یہ بات طئے ہے کہ اس میں جو وقت لگا وہ بے کار گیا، حالاں کہ اگر اسی وقت کو فضول گوئی سے بچا کے حق تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کے اندر لگا دیتا تو نہ معلوم رحمتِ الٰہی کے کتنے ہی دروازے ذہن میں کھل جاتے اور نور علم حاصل ہوتا، یا اگر بہ جائے فضول گوئی کے اتنی دیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیتا، تسبیح، تحمید، تہلیل وغیرہ تو اتنی دیر میں جنت میں کتنے ہی درخت لگ جاتے اور کتنے ہی محل سنور جاتے۔ غور کیا جا سکتا ہے کہ جن لمحات کے ذریعے آدمی آخرت کی عظیم نعمتیں اور جنت کے بیش بہا خزانے حاصل کرسکتا تھا نہ کر کے بے ضرورت باتوں میں لگا رہا خواہ وہ جائز باتیں ہی سہی تو وہ کتنے بڑے خسارے میں رہا؟ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لایعنی باتوں سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''آدمی کے اسلام کی خوبی اُس کا بے فائدہ کاموں اور باتوں کو ترک کر دینا ہے''۔ (مسند احمد: ۱/۲۱۱)

ایک صحابیؓ کا انتقال ہوا تو کسی نے کہا ''جنت کی خوش خبری ہو'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے جانے ہی کہہ دیا؟'' یعنی تمہیں کیا پتہ ہے کہ وہ جنت ہی میں جائے گا؟ ''ہوسکتا ہے وہ لایعنی باتیں کرتا رہا ہو، یا ایسی چیزوں کے دوسروں کو دینے میں بخل کرتا رہا ہو جو معمولی ہوتی ہیں''۔ (ترمذی: 4842)

حضرت کعبؓ کی بیماری کی خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے، ان سے فرمایا: ''کعبؓ کو خوش خبری ہو'' ان کی والدہ نے کہا: کعبؓ! تم کو جنت مبارک ہو''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفا ہوئے اور فرمایا: یہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر قسم کھا رہی ہے؟ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: میری ماں ہے۔ فرمایا: ہو سکتا ہے کعب رضی اللہ عنہ فضول باتیں کرنے کا عادی رہا ہو، یا ایسی چیزوں میں بخل کرتا رہا ہو جس کے دینے میں کچھ نقصان نہیں ہوتا''۔ (صحیح الترغیب:2884)

دونوں واقعات سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے جنتی، جہنمی ہونے کے بارے میں یقیناً کچھ نہیں کہا جا سکتا، اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مرنے والے کا انجام کیا ہے، اور دوسری اہم بات یہ معلوم ہوگئی کہ لغو و لایعنی باتیں ــــ یعنی ایسی باتیں جن میں نہ دین کا فائدہ ہو اور نہ دنیا کا ــــ اتنی مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مرتکب کے لئے جنت میں داخلے پر کھٹک ظاہر فرمائی بلکہ اس عمل کو دخول جنت میں مانع بتلایا۔ اللہ اکبر! کیا اب بھی ہم لایعنی کو ترک نہیں کریں گے؟؟۔

نوٹ: ان حدیثوں میں بعض علمی باتیں کی گئی ہیں، علماء ان کو شروحات میں دیکھ سکتے ہیں، یہاں صرف ان کے اس پہلو کو لیا گیا ہے کہ بے ضرورت باتیں یا غیر یقینی باتیں کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے، جس کا شعور زیادہ خاموش رہے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

(۲) ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا

یہ بھی بہت مذموم عمل ہے، یعنی یہ کہ آدمی ضرورت ہی پر بولا کرے مگر ضرورت سے زیادہ باتیں بولے، یا بلا وجہ تکرار کرے، یا بہت پھیلا کے اور بنا بنا کے بولے، مثلاً اگر مقصود کی ادائے گی ایک جملے سے ہو سکتی ہے اور اس نے اس کے لئے دو جملے بولے تو یہ دوسرا والا لایعنی ہی تو ہوگیا، اگرچہ اس میں کوئی گناہ یا دوسرے کی تکلیف بھی نہ ہو۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ پہلے لوگ قرآن کریم، حدیث شریف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اپنی زندگی کے امور سے متعلق کوئی ضروری بات کے علاوہ تمام باتوں کو زائد از ضرورت شمار فرماتے تھے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ صرف بزرگوں کی باتیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: (لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ.....

الآیۃ) یعنی لوگوں کی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں سوائے ان باتوں کے جن کے ذریعہ صدقہ خیرات کی ترغیب دی گئی ہو یا کسی اچھی بات کی تعلیم دی گئی ہو یا لوگوں کے صلح کی راہ سوچی گئی ہو۔(النساء: ۱۱۴)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ''مبارک باد ہے اس شخص کو جو باتوں کے فضول حصے کو روک لے اور مال کے فاضل حصے کو خیرات کر دے۔(بیہقی: 30614)

ایک صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب کے دوران بہت ہی تعریف کی باتیں کہیں۔ جو اگرچہ حق بہ جانب تھیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا: بات اس طرح کیا کرو کہ اس میں شیطان دخیل نہ ہو جائے۔(ابوداؤد: 4806)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''میں تم کو بے ضرورت بولنے سے خبردار کرتا ہوں، آدمی کے لئے اتنی گفتگو بہت کافی ہے جس کے ذریعہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ ایک اور صحابیؓ کا ارشاد ہے ''کبھی آدمی مجھ سے ایسی بات کرتا ہے کہ اس کا جواب دینے کی مجھے اس سے زیادہ خواہش ہوتی ہے جتنی کسی پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی ہوتی ہے، پھر بھی میں اس لئے خاموش رہ جاتا ہوں کہ کہیں میرا یہ کلام فضول اور لایعنی نہ شمار ہو جائے۔ حضرت ابودرداءؓ نے ایک بہت بولنے والی عورت کو دیکھا تو فرمایا: یہ گونگی ہوتی تو اس کے لئے بہتر تھا۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے تھے ''دو چیزوں نے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے: ۱۔ ضرورت سے زیادہ مال۔ ۲۔ ضرورت سے زائد باتیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بے ضرورت بولنا آدمی کی مذموم صفت اور وقت کا ضیاع ہے، اسی طرح ضرورت سے زائد بولنا بھی زبان اور وقت کا غلط استعمال اور صریح نقصان ہے، جب ہمارا اعمال نامہ کھلا ہوا ہے اور فرشتے ہر بول لکھ لینے کے لئے کسی دشمن کی طرح تاک میں ہیں تو کیسے ہم بے ضرورت یا ضرورت سے زائد باتوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں؟ کاش کہ ہم غفلت سے باز آجائیں!

(۳) گناہ کی باتیں کرنا

مخصوص گناہوں کی باتیں مثلاً غیبت جھوٹ وغیرہ کا ذکر آگے مستقلاً آرہا ہے، یہاں گناہ کی باتوں سے مراد عام گناہ کی باتیں ہیں، مثلاً عورتوں کے مخفی حالات کا تذکرہ، اسی طرح شراب پینے پلانے کی باتیں یا ان کی مجلسوں میں شرکت، فاسقوں فاجروں کے مظالم ومعاصی کے قصے، اسی طرح مال داروں کے عیش وعشرت اور حکام کے ظلم وجور کے واقعات، اسی طرح دینی اعتبار سے دیکھا جائے تو اہل بدعت کے رسوم، گُم راہ مذاہب والوں کے عقائد وخیالات کے مذاکرے، نیز صحابہ کرامؓ کے مشاجرات اور علماء وفقہاء کے اختلافات کا اس طرح تذکرہ جس سے اُن کی بے آبروئی ہو یا کسی قسم کی تہمت لگے وغیرہ؛ اس لئے یہ سب باتیں ایسی ہیں جنہیں بنا کسی سخت ضرورت کے محض دلچسپیوں اور وقت گذاریوں کے لئے بیان کرنا اسلام میں ناجائز ہے۔ اس سے قبل دو نمبر گذر چکے ہیں ''یعنی بے ضرورت بولنا اور ضرورت سے زیادہ بولنا'' ان سے احتراز کا حکم تو بدرجۂ احتیاط اور نقصانات سے بچانے کے لئے تھا مگر مذکورہ بالا باتوں میں مشغولیت صراحۃً ناجائز اور بہ درجۂ تحریم ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔ (فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ...... الآیۃ) یہ منافقین جو اللہ تعالیٰ کے کلام کا استہزاء اور انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ بیٹھا بھی مت کرو جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت اُن جیسے ہی ہو گے۔ (النساء: ۱۴۰) ایک اور موقعہ پر جہنمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: وہ اپنے جہنم میں جانے کے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی کہیں گے (وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ) یعنی ''ہم لوگ گناہ وگستاخی کی باتیں کرنے والوں کی باتوں میں شریک رہتے تھے'' (المدثر: ۴۵)

حدیث میں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی باتیں کر رہتا ہے، اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ گستاخیوں کی کس حد تک پہونچ گیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کی وجہ سے اس پر قیامت تک کے لئے اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتے ہیں'' (ترمذی: 2319)

ایک حدیث میں ہے کہ ''آدمی بعض باتیں ایسی کرتا ہے جنہیں وہ معمولی سمجھتا ہے

حالانکہ وہ اسی کی وجہ سے جہنم میں جھونکا جاتا ہے‘‘ (بخاری:6478) حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں ’’آدمی کا سب سے بڑا گناہ باطل اور گناہ کی باتوں میں مشغول ہونا ہے‘‘۔

بہرحال ان آیات واحادیث سے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ آج کل لوگ جو دین وعقیدے کے معاملے میں علم نہ ہونے کی باوجود بحثیں کرتے رہتے ہیں اور صحابہؓ وبزرگان سلف کی برائیاں کرتے ہیں یہ سب باتیں نقصان پہونچانی اور عاقبت برباد کرنے والی ہیں، اسی طرح موبائیل اور انٹرنیٹ کے ذریعہ جو بے کار اور بے ادبی کے واقعات دیکھتے سُنتے اور گناہ کے کاموں اور باتوں کو سنتے سناتے رہتے ہیں یہ سب معصیت میں داخل اور ناجائز وحرام ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے کرم سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(۴) بحث ومباحثہ اور مناقشہ کرنا

اس کے لئے عربی میں دو لفظ بولے جاتے ہیں المراء والجدال۔ مراء کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی دوسرے کی بات میں نقص اور غلطی کا اظہار کرے خواہ اس کے الفاظ میں خواہ معنی میں خواہ اس کی نیت وارادے میں۔ الفاظ میں مثلاً یہ کہنا کہ آپ کی عبادت میں یہ نحوی کوتاہی ہے یا صرفی یا ادب اور گرامر کے اعتبار سے یہ جملہ صحیح نہیں ہے وغیرہ، معنی میں مثلاً یہ کہنا کہ آپ کی بات کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ بات غلط بھی ہوسکتی ہے وغیرہ، نیت میں مثلاً یہ کہنا کہ بات تو آپ کی صحیح ہے مگر اس بات سے آپ کی مراد صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس میں کوئی نہ کوئی غرض اور مقصد ضرور پوشیدہ ہوگا وغیرہ۔ بہرحال کسی بھی اعتبار سے اظہار نقص وعیب المراء میں داخل ہے۔ (جب کہ یہ سامنے والے کو ہرانے اور نیچا دکھانے کے لئے ہو، کیوں کہ اصلاح وتربیت اور تادیب وتہذیب کے لئے ایسی غلطیاں نکالنا معیوب نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔)

ہونا یہ چاہئے کہ آدمی کے سامنے اگر کوئی بات آئے تو اگر وہ بات حق ہے تو فوراً قبول کرلے اور اگر باطل ہے تو بھی اگر اس کا دین سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے تو سکوت اختیار

کرے، (اگر دین کی بات ہو اور اس کی تصحیح شرعاً ضروری ہو) تو حکمتِ دعوت و نصیحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسین اسلوب میں اظہار حق کر کے یکسو ہو جائے، بحث و تکرار کی نوبت نہ آنے دے۔

جدال کا مفہوم ہے دوسرے شخص کو خاموش اور لاجواب کرنے کا ارادہ کر کے اس کو جہالت، غباوت اور ناواقفیت وغیرہ کے الزام والقاب سے ذلیل و رسوا کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک برائی ہے، اس کا سبب اپنی قابلیت و برتری کے اظہار کا جذبہ اور دوسرے کو نیچا اور گھٹیا دکھانے کا شوق ہے، اس کی علامت غلطی پر تنبیہ کرنے کا ایسا طریقہ اور انداز اختیار کرنا ہے جس سے اپنی برتری و تعلّی اور سامنے والی کی تحقیر و تنقیص ٹپک رہی ہو۔ ایسے جذبات کے وقت بھی سکوت اختیار کر لینا بہتر ہے بشرطے کہ سکوت اختیار کرنے میں گناہ نہ ہو (اور سکوت اختیار کرنے میں گناہ کا اندیشہ ہو تو پھر اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوئے ہر قسم کی تنقیص و تحقیر سے بچتے ہوئے اس کی غلطی پر توجہ دلا دے)

قرآن کریم میں عام مسلمانوں کے لئے فرمایا گیا (وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ) ''اور بحث و مباحثہ مت کرو اہل کتاب سے مگر یہ کہ عمدہ طریقے پر'' (العنکبوت: ۴۶) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے فرمایا گیا (وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ) اُن سے مباحثہ فرمایئے عمدہ طریقے پر'' (النحل: ۱۲۵) یعنی ضرورت پر نرمی سے، شفقت اور حسنِ خطاب کے ذریعہ مناظرہ کیجئے۔ معلوم ہوا کہ دین پھیلانے کا طریقہ اظہار قابلیت کا نہیں اظہار شفقت و خیر خواہی کا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا ترک کر دیا تو اس کے لئے جنت کے اعلیٰ درجہ میں ایک خاص محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص ناحق پر ہونے کی وجہ سے جھگڑا ترک کر دیا تو اس کے لئے درمیان جنت میں ایک محل تیار کیا جاتا ہے''۔ (ترمذی:1993)

ایک حدیث میں ہے کہ کوئی قوم ہدایت کے بعد اگر گمراہ ہوئی ہے تو جھگڑے اور تکرار ہی کی وجہ سے ہوئی''۔ (ترمذی:3253) دیکھا جائے تو اس وقت امت کی عوام ہی نہیں علماء کا ایک

بڑا طبقہ اس بیماری میں مبتلا ہے اور تعجب یہ ہے کہ اسے دین کی بڑی خدمت سمجھ رہا ہے، حالاں کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ''بحث مباحثوں کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

(۵) جھگڑا تکرار کرنا

عربی میں اس کی تعبیر ''خصومۃ'' سے کی جاتی ہے، خصومۃ بھی المراء و الجدال سے ملتی جلتی چیز ہے مگر وہی نہیں، کیوں کہ المراء کی حقیقت دوسرے کی تحقیر کرنے اور اپنی قابلیت جتانے کی خاطر کسی کے کلام میں غلطیاں نکالنا ہے اور جدال کی حقیقت اپنے افکار ونظریات کے اظہار اور اس کے ثبوت میں دوسرے سے بحث ومباحثہ کرنا ہے۔ خصومۃ ان دونوں سے ہٹ کر اپنی بات منوانے یا اپنا حق وصول کرنے کے لئے اڑ جانے اور ہٹ دھرمی پر اُتر آنے کو کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام میں ناپسندیدہ صفت ہے۔

قرآن کریم میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾) اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو دنیا کی زندگی کے بارے میں اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے، حالاں کہ وہ نہایت ضدی اور جھگڑالو ہے'' (البقرہ: ۲۰۴) معلوم ہوا کہ ضد، ہٹ دھرمی اور اپنی بات پر اڑے رہنے کا مزاج ناپسندیدہ مزاج ہے، ایسا آدمی ہر مخالف ومقابل سے بدزبانی اور سخت کلامی پر اتر آتا ہے''۔

جیسا کہ حدیث میں بھی منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: کہ وہ جب جھگڑا کرتے ہیں تو بدزبانی پر اتر آتے ہیں۔ (بخاری: 3007) نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ آدمی ہٹ دھرم اور جھگڑالو آدمی ہے'' (بخاری: 2325) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی معاملے میں لاعلمی کے باوجود جھگڑا تکرار کرے تو اس سے دست بردار ہونے تک اللہ تعالیٰ کے غصے میں رہتا ہے''۔ (فیض القدیر: ۱۵۰/۶) بشر بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم میں نے مخاصمہ یعنی جھگڑے سے

زیادہ دین برباد کرنے، شرافت کو گھٹانے والی، سکون غارت کرنے والی اور دل کو مشغول کرنے والی کوئی اور شئے نہیں دیکھی''۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ خصومت اور جھگڑا تکرار ایسی بَلا ہے جس سے آدمی کا وقار اور مقام گر جاتا ہے، اس لئے بہت سے اہلِ علم و فضل کو دیکھا گیا کہ وہ اپنا حقِ واجبی بھی جھگڑے کے نتائج سے ڈر کر چھوڑ دیتے ہیں، حالاں کہ مخاصمہ اور ضد اگر اپنے حق واجب کو وصول کرنے کے لئے ہو تو ناجائز اور مذموم نہیں ہے، صرف لاعلمی اور ناواقفیت کے ساتھ الجھنے اور اڑ جانے یا باطل یا خلافِ حق پر اصرار کرنے جھگڑنے کی مذمت بیان کی جا رہی ہے تاہم چوں کہ ایسا کرنا بہ ہر صورت بے مروّتی اور بے وقاری ہے اس لئے سالکین کو بہ طور خاص جھگڑوں سے دور رہنا چاہئے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے محفوظ فرمائے۔ آمین

(۶) پر تکلف اور بناوٹی باتیں کرنا

زبان کی آفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی گفتگو میں ___ تہذیب و ادب کی ضرورت سے زائد ___ فصاحت و بلاغت اختیار کرے، بات کو بلا وجہ طول دے یا قصداً مسجّع و مقفّٰی الفاظ کا بہت اہتمام کرے، یا بہت بنا سنوار کر بولنے کا التزام رکھے؛ اس لئے کہ یہ سب باتیں شریعت میں مذموم سمجھی گئی ہیں اور شارع نے ان سے ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے ''بے شک میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مبغوض اور مجھ سے سب سے زیادہ دور قیامت کے دن وہ لوگ ہوں گے جو گفت گو میں بہت تکلف سے کام لینے والے بہت بڑھا چڑھا کے بولنے والے اور منہ بنا بنا کے بولنے اور بڑائی جتانے والے ہیں'' (ترمذی:2018) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اُن کے بیٹے ایک دفعہ کسی ضرورت سے اپنے والد سے ملنے کے لئے آئے اور بہت پُر تکلف انداز میں وہ ضرورت ان کے سامنے رکھی تو انہوں نے جواب میں فرمایا: مجھے تیری ضرورت پوری کرنے کے لئے آج سے زیادہ کبھی ناگواری نہیں ہوئی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا ہے کہ ''بہت جلد ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ باتیں اتنا بنا بنا کے اور چبا چبا کے کریں جیسے گائے

اپنے منہ میں چارہ چباتی (یعنی جگال کرتی) رہتی ہے'' (مسند احمد: 6543) گویا حضرت سعدؓ نے اپنے بیٹے کے انداز کلام میں بلا وجہ کا تکلف، تمہید اور مسجع تعبیر کو سخت ناپسند کیا، اور اس ناپسندیدگی کی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناپسندیدگی قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کرامؓ گفتگو میں تکلف و تصنع کو بہت معیوب و مذموم سمجھتے تھے۔

اور یہ تکلف دو طرح کیا جاتا ہے ۱۔ الفاظ اور ان کی تعبیر وترکیب میں ۲۔ الفاظ کے انداز اور اداؤں میں۔ ظاہر ہے کہ گفتگو میں یہ دونوں چیزیں اپنی بڑائی، خودنمائی اور اظہار برتری ہی کے لئے اختیار کی جاتی ہیں، اور تکبر خواہ وہ کسی شکل میں ہو بندوں کے اندر مذموم ومعیوب ہی ہوگا، اس لئے یہ عادت بھی زبان کی آفات میں داخل اور قابل ترک ہے۔

یاد رہے کہ مذکورہ بالا مذمت اور تنبیہ کا تعلق ضرورت بہ قدر ادب وانشاء سے نہیں ہے، وہ تو گفتگو کا سلیقہ ہے اور سلیقہ مند گفتگو ایک پسندیدہ صفت اور کمال کی بات ہے، مذمت اس اختصار کی ہے جو ابہام کا سبب بنے اور وہ تفصیل جو طوالت و بیزارگی کا سبب بنے، وہ تعمق جہاں تک ذہن نہ پہونچ سکے اور ایسے دقیق الفاظ کا استعمال جو عرف میں مستعمل نہیں، ایسی تعبیرات جن کی تشریح درکار ہو اور ایسا اندازِ کلام جس سے تکبر و برتری کا اظہار ہو اور حد سے زیادہ چیخ وپکار جو دائرہ وقار واحترام سے باہر ہو۔

حق تعالیٰ اپنے کرم سے ہم لوگوں کو اس آفت سے بھی محفوظ رکھے۔ آمین

(۷) گالی گلوج کرنا

عربی زبان میں اس آفت کا عنوان ہے'' الفحش والسب و بذاءۃ اللسان ''
فحش کے معنی ہیں گندی باتیں، سبّ گالی گلوج کو کہتے ہیں و بذاءۃ بدکلامی بدزبانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کی حقیقت ہے قبیح اور گندی باتوں یا شرم ناک حقیقتوں کو صریح الفاظ میں بولنا، ایسی باتیں زیادہ تر جماع اور اس سے متعلق ہوتی ہیں، بداخلاق لوگ ایسی باتوں کو صراحۃ بول دیتے ہیں اور جو مہذب، شریف لوگ ہوتے ہیں وہ ضرورت کے وقت اشارات وکنایات میں بولتے ہیں۔ جیسے (بہ قول ابن عباسؓ) اللہ تعالیٰ نے حیا وکرم کی وجہ سے

قرآن کریم میں جماع کے لئے کوئی صریح لفظ استعمال نہیں فرمایا،لمس، دخول، صحبت جیسے الفاظ استعمال فرمائے، یہ سب الفاظ اشارہ ہیں جماع کی طرف، کوئی ایسا لفظ نہیں بولا جو صریح ہو کیوں کہ ایسے الفاظ کہنے سننے سے باحیا لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے،اس کے برخلاف جاہل و بدتمیز لوگ اپنی باتوں کے درمیان ــــ بالخصوص لڑائی جھگڑے کے وقت ــــ ایسے صریح الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں ہے اور فحش باتیں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں، ایک تو گندی باتیں اور گالیاں ہوتی ہیں لیکن اس سے ہٹ کے بھی عام گفتگو میں مہذب اور بے تہذیب لوگوں کی باتوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مثلاً بیوی کو جاہل شخص میری عورت، میری بیوی کہتا ہے،اور مہذب آدمی میرے مکان میں یا میرے گھر والے یا فلاں کی والدہ، کی تعبیر اختیار کرتا ہے،اسی طرح بعض ناپسندیدہ اور کریہہ بیماریوں کا عوام نام لے کر ذکر کرتے ہیں بواسیر برص وغیرہ اور مہذب آدمی کہتا ہے؛ایک بیماری لاحق ہے یا ایک تکلیف چل رہی ہے وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ بدکلامی اور شرم ناک باتیں کرنا تو بری بات ہے اور ان کے معصیت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اُن سے ہٹ کرنا مناسب اور غیر مہذب گفتگو بھی مسلمانوں کے لائق نہیں خواہ وہ گناہ کے دائرے میں نہ آتے ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''بری اور بے حیائی کی باتیں کرنے سے بچا کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (مسند احمد ۱۹۱/۲) ایک اور حدیث میں ہے'' بدزبان اور فحش گو آدمی پر جنت میں داخلہ حرام ہے۔ (کنز العمال :8085) ''بدزبانی اور فحش گوئی دونوں نفاق میں داخل ہیں'' (مسند احمد : ۵/ ۲۶۹) بدزبانی اور فحش کلامی اسلامی صفات نہیں ہیں، اسلامی صفات کا حامل تو وہ ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں'' (مسند احمد:20943) ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے مقتولین بدر کو برا بھلا کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا:''ان کی برائی مت کرو اس لئے کہ تمہاری باتیں تو ان تک پہونچیں گی نہیں البتہ زندوں کو ان باتوں سے تکلیف ضرور ہوگی، خبر دار! بدکلامی بے شک منحوس عادت ہے''۔

ابراہیم بن میسرہ فرماتے ہیں ’’فحش گو لوگ قیامت میں کتوں اور خنزیروں کی صورت میں لائے جائیں گے‘‘۔ احنف بن قیسؓ فرماتے تھے ’’گندی زبان اور گرے ہوئے اخلاق بدترین بیماریاں ہیں‘‘ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(۸) کسی پر لعنت ملامت کرنا

کسی پر لعنت کرنا بھی زبان کی آفتوں میں سے ایک آفت ہے اور نہایت معیوب حرکت ہے، خواہ وہ کسی آدمی پر کی جائے یا جاندار پر یا بے جان پر سب ہی ممنوع و مذموم ہے۔

لعنت کے معنی ہیں کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور محروم ہو جانے کی دعا یا تمنا کرنا، ظاہر ہے کہ ایسی تمنا یا دعا ناجائز ہے، سوائے اس صورت کے کہ کوئی شخص اپنے کو کفر اور ظلم کے ذریعہ اس کا مستحق بنالے، تو ایسی صورت میں لعنت کر سکتے ہیں وہ بھی نام ذکر کر کے نہیں بلکہ علی الاطلاق کر سکتے ہیں جیسے لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ یا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ؛ اس میں بھی نہایت احتیاط برتتے ہوئے صرف کتاب وسنت میں معروف و مستعمل الفاظ اختیار کرنے چاہئیں، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر حکم لگانا ہے کہ اس نے ملعون کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے، جب کہ یہ غیب کا معاملہ ہے اور ہمیں غیب کا علم نہیں ہے؛ اور کسی متعین شخص یا جانور وغیرہ پر تو لعنت کرنا ہی نہیں چاہئے کہ اگر وہ عند اللہ اس کا مستحق نہ ہو تو ہمارے لئے سخت خطرہ کی بات ہے۔ ہاں وہ لوگ جن پر کتاب وسنت سے اللہ کی لعنت ثابت ہو چکی ہے ان پر شخصی طور پر بھی لعنت کر سکتے ہیں جیسے فرعون، قارون، ابوجہل وابولہب وغیرہ، مگر ان کے علاوہ دیگر لوگ — خواہ وہ کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں — ان پر شخصی طور پر لعنت نہیں کر سکتے جیسے یزید، حجاج وغیرہ۔ اب آگے اس سلسلے میں منقول اسلامی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں، ملاحظہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی کسی پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یا اس کے غصے یا جہنم میں جانے کی بددعا نہ کرے‘‘ (ترمذی:1976) حضرت سلمۃ ابن الاکوعؓ فرماتے ہیں ’’جب ہم کسی شخص کو دیکھتے کہ اس نے کسی مسلمان پر لعنت کر دی ہے تو یقین کر لیتے کہ وہ ایک

بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے‘‘ (طبرانی فی الاوسط:380) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تیز ہوا سے ایک شخص کی چادر الجھ گئی تو اس نے ہَوا پر لعنت کردی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہوا کو لعنت مت کرو، وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے، یادرکھو اگر کسی نے کسی پر لعنت کی اور وہ عنداللہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہے تو یہ لعنت لوٹ کر لعنت کرنے والے کو لگ جاتی ہے‘‘ (عارضۃ الاحوذی ۴/ ۳۴۵) ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’مومن طنز کرنے والا لعنت کرنے والا اور بد کلامی کرنے والا نہیں ہوتا‘‘ (ترمذی:1977) ایک حدیث میں ہے کہ ’’لعنت کرنے والا مقام صدیقیت کو نہیں پاسکتا‘‘ (مسلم: 2597) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ تھے، ایک انصاری عورت اونٹ سے گر پڑی تو اس نے اونٹ پر لعنت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اونٹ پر جو سامان ہے وہ اتارلو اور اس کو علاحدہ کردو، اس لئے کہ وہ ملعون ہے‘‘ چنانچہ اس اونٹنی کو ہم دیکھ رہے تھے کہ قافلے میں تنہا چل رہی تھی اور کوئی اس کی طرف التفات بھی نہیں کررہا تھا۔ (مسلم:2595)

معلوم ہوا کہ لعنت کرنے سے خطرہ ہے کہ وہ ملعون وہ منحوس ہوجائے پھر اس کا اثر خود ہمارے اُوپر پڑے، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ایسا ہی منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے زبانوں کی ہر گندگی سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(۹) گانے گانا اور بری شاعری کرنا

عربی میں اس کا عنوان ہے ’’الغناء و الشعر‘‘ غناء کے معنی ہیں عمدہ آواز میں موزوں کلام کا پڑھنا، اس کے بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ نے ’’آداب السماع‘‘ کے عنوان کے تحت بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ خمسہ عطا فرمائے ہیں اور انہیں اپنی قدرت سے ایک خاص ذوق دیا ہے، ان حواس میں ایک سماعت بھی ہے، آدمی کی سماعت اچھی آوازوں کا سننا پسند کرتی ہے، کریہہ اور بھونڈی آوازوں سے وحشت محسوس کرتی ہے، اسی ذوق کی تسکین کے واسطے ہر قوم میں اور ہر زمانے

میں غناء کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے، اس لئے غناء فی نفسہ کوئی مذموم و معیوب چیز نہیں ہے؛ البتہ شریعت اسلامی ہر فطری ضرورت اور بشری تقاضے کی تکمیل کی اجازت کے ساتھ آدمی کو چند احکام کا پابند بھی رکھتی ہے، مثلاً نیت کا صحیح ہونا، موقع کا مناسب ہونا، وسائل کا معتبر ہونا، کسی مانع شرعی کا نہ پایا جانا وغیرہ، غناء یعنی خوش الحانی کے ساتھ موزوں کلام کا پڑھنا جس کو اردو میں گانا کہتے ہیں بھی چند شرائط کے ساتھ مباح ہے۔ مثلاً اس کے ساتھ موسیقی نہ ہو، اشعار خلاف شرع باتوں پر مبنی نہ ہوں، اسی طرح گناہ کے کاموں پر آمادہ کرنے اور شہوت بھڑکانے والے نہ ہوں، گانے والی عورت نہ ہو۔ (یعنی مردوں کے حق میں) بلکہ اہل اللہ کے ہاں امرد بھی نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی مجلس ہو تو اس میں دیگر منکرات شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو تو ان شرائط کے ساتھ اشعار کا گانا اور سننا جائز ہو سکتا ہے، شرعی پابندیوں کی رعایت کے بغیر غناء (نظمیں، نعتیں، قوالیاں وغیرہ) ائمہ اربعہ اور بہت سے محقق علماء کے نزدیک ناجائز اور معصیت میں داخل ہے۔ آج کل کے گانے تو ان شرائط کی روشنی میں سب معصیت ہی ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ نے (وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ...... الآیۃ) میں لَهْوَ الْحَدِيثِ سے غناء یعنی گانا ہی مراد لیا ہے، یہی حضرت حسن بصریؒ اور امام نخعیؒ کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ ”گانے دل میں نفاق پیدا کرتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ گانوں کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں رکھ لیا کرتے تھے، حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے ”غنا زنا کی سیڑھی ہے“ یعنی غیر شرعی گانوں کا انجام بدکاری کے جذبات پیدا ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جہاں تک شعر شاعری کا معاملہ ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اچھی شاعری اچھی ہے اور بُری بُری ہے، البتہ اس میں اس قدر اشتغال کہ حقوق و فرائض سے غافل کر دے وہ ناجائز ہے، احادیث سے مذمت بھی معلوم ہوتی ہے اور تعریف بھی، یعنی مذموم اشعار مذموم ہیں اور اچھے اشعار پسندیدہ ہیں، شاعری کی صفت غیر نبی کے لئے اچھی صفت اور حکمت ہے۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اشعار کے بارے میں فرمایا: ”بعض شعر حکمت و علم کا پتہ دیتے

ہیں‘‘۔(بخاری:6145)اور برے اشعار کے بارے میں فرمایا’’کسی کے پیٹ کا پیپ اور قئے سے بھر جانا اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے‘‘۔(بخاری:6155)

آج کل دین پسند لوگوں بلکہ نوجوان علماء میں بھی ایسی چیزوں کا بہت شوق ہوگیا ہے، اور نعتیں بھی اُچھل کود کرتے اور ایک خاص ماحول بناتے ہوئے پڑھی سنی جارہی ہیں، ایسے لوگوں کو بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائے۔آمین

(۱۰)دل لگی اور مذاق کرنا

عربی میں اس کو مزاح اور مداعبہ کہتے ہیں،جس کا مفہوم ہے تفریح دل لگی اور مذاق کی باتیں کرنا، یہ بھیبہ طور مشغلے کے مذموم ہے اور آفاتِ لسانی میں سے ایک آفت ہے،اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں وقت کا ضیاع نہ ہو، جھوٹ اور فریب کا استعمال نہ ہو،کسی کی دل آزاری نہ ہو اور بہ طور عادت کے نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے،اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں یا ان میں سے کوئی ایک بھی فوت ہو تو پھر یہ عمل مذموم اور قابل ترک ہے۔اس لئے کہ ہر وقت ہنسی مذاق کرتے رہنا اللہ تعالیٰ سے غفلت اور دل کی سختی وُمردنی کا سبب ہے، نیز اس کے نتیجے میں آپس میں بغض اور کینہ پیدا ہوسکتا ہے جو اور بھی خطرناک رذیلہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے’’جو آدمی لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں گھڑتا رہتا ہے وہ ثریا سے بھی اوپر سے جہنم میں گرایا جاتا ہے‘‘۔(شعب الایمان:4832)

ایک حدیث میں ہے’’اگر تم لوگ ان باتوں کو جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے‘‘(بخاری:1044)ایک سفر میں چند صحابہؓ نے سوئے ہوئے ساتھی کا اسلحہ اٹھالیا، وہ نیند سے بیدار ہوئے تو گھبرائے،سب لوگ ہنسنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی’’کوئی مسلمان کسی مسلمان کو مذاق میں بھی خوف زدہ نہ کرے‘‘۔(الترغیب والترہیب:4054)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں’’جو بہت زیادہ ہنستا ہے وہ بہت زیادہ بے اعتبار ہوجاتا ہے،اور جو زیادہ دل لگی کرتا ہے وہ بے حیثیت ہوجاتا ہے، جو آدمی زیادہ تر جس کام میں مشغول رہتا ہے

اسی کام کی نسبت سے جانا پہچانا جاتا ہے، جو بہت بولتا ہے وہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، جو بہت غلطیاں کرتا ہے اس کی حیا کم ہو جاتی ہے، جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کا تقویٰ کم ہو جاتا ہے، جس کا تقوی کم ہو جاتا ہے اس کا دل مر جاتا ہے۔

ایک بزرگ عید الفطر کے دن ایک محفل کے پاس سے گذرے جس میں ہنسی مذاق چل رہا تھا، یہ دیکھ کر فرمایا ''اگر ان لوگوں کی مغفرت ہوگئی ہے تو شاکرین کا یہ شیوہ نہیں اور اگر نہیں ہوئی ہے تو خائفین کا یہ طریقہ نہیں ہے''۔ محمد بن منکدرؒ فرماتے تھے کہ ان کی والدہ نے انہیں نصیحت کی تھی ''بیٹے بچوں سے مذاق مت کیا کرو، کیوں کہ اس سے ان کی نظر میں تم حقیر ہو جاؤ گے''۔ سعید بن عاصؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''بیٹے! شریف آدمیوں سے مذاق کرنا ان کے اندر کینہ پیدا کرتا ہے اور رذیل آدمی سے مذاق کرنا اس کو گستاخ و بے ادب بنا دیتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ظرافت و مزاح تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فعل سے ثابت ہے اس کو مذموم کیسے کہا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی طرح حدود و شروط کی پابندی پر آپ کو قدرت ہے اور ان حدود کی پاس داری کر سکتے ہیں تو ضرور اس سنت پر عمل کریں، ورنہ حقوق و فرائض سے غافل رہتے ہوئے صبح و شام ہنسی دل لگی میں مشغول رہنا اور اس کے جواز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظرافت، خوش مزاجی کو پیش کرنا بہت ہی غلط استدلال ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی ہر دن رقص و سرود کی محفل میں پہونچ کر ناچنے گانے والوں کا تماشہ دیکھتا رہے اور یوں کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی تو حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی اجازت دی تھی۔ العیاذ باللّٰہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مزاح و مذاق بہت باوقار اور صدق و صفا پر مبنی تھا، جو لوگوں کو اپنانے اور مانوس رکھنے اور ان کے غم غلط کرنے کی حسین صورت تھی، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''میں یقیناً خوش مزاجی کی باتیں کرتا ہوں مگر جو بولتا ہوں سچ بولتا ہوں۔ (ترمذی :1995)

بہر حال خوش مزاجی الگ چیز ہے دل لگی اور چیز ہے، پہلی محمود اور دوسری مذموم ہے؛ اور مذموم قسم میں آج کل کے رائج مذاق ''اپریل فول'' اور ''کامیڈی پروگرام'' وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(۱۱) کسی کا استہزاء کرنا

دونوں عربی مصدر ہیں، استہزاء کے معنی ہیں مذاق اڑانا اور تمسخر کے معنی ہیں کسی کو گھٹیا دکھانا، تحقیر کرنا اور اس کے عیوب کو اس طرح ظاہر کرنا جس سے اس کی ہنسی اڑائی جائے، اور یہ تمسخر کبھی اس کے قول یا فعل کی نقل اتار کر ہوتا ہے اور کبھی اشارے کنائے سے اور کبھی بیان کر کے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ استہزاء کسی کی تحقیر ایسے عیب کے ذریعہ کرنے کو کہتے ہیں جو اس میں نہیں ہے اور تمسخر اس کے اندر پائے جانے والے عیب کے ذریعہ مذاق ڑانے اور رسوا کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں عمل سخت مذموم اور گناہ کبیرہ ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ...... الاٰیۃ) ”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ہوسکتا ہے وہ اللہ کے نزدیک مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہو، اور کوئی عورت کسی عورت کا استہزاء و تمسخر نہ کرے، ہوسکتا ہے وہ عورت مذاق اڑانے والی عورت سے عنداللہ بہتر ہو“ (سورۃ الحجرات : ۱۱)
(اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ...... الاٰیۃ) ایک جگہ منافقین کی اس حرکت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ”جو لوگ مال دار مومنین اور بہت ہی نادار مومنین کے صدقات کا مذاق اڑا رہے ہیں اور ان کا استہزاء کر رہے ہیں ان (بدنصیبوں) کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے“۔ (التوبہ:۷۹)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناراض ہو کر فرمایا ”اگر کوئی مجھے بہت بڑی دولت دے کر بھی ایسی حرکت کرنے کے لئے کہے تو میں ہرگز پسند نہ کروں گا“ (فیض القدیر: ۵/ ۵۲۴) فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت صفیہؓ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے ان کے ٹھگنے (کم قد) ہونے کا اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اپنی گفتگو میں اس اشارے کے ذریعہ ایسی چیز ملا دی کہ اگر سمندر کے پانی میں ملادی جائے تو اس کو بھی گندا کر دے“۔

(ابوداؤد:4875) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے ایک خادم کو ڈانتے ہوئے اس کی ماں کے بارے میں شرمندہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لیا تو فرمایا: ''تم نے اس کو اس کی ماں کے حوالے سے شرمندہ کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسے آدمی ہو جس میں ابھی جاہلیت (کی خوبو باقی ہے)، یہ تمہارے نوکر تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے''۔(بخاری:29) مطلب یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں اور کمزوروں کی آبروریزی جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی کی ریح خارج ہونے پر بعض لوگوں کی ہنسی نکل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو تنبیہ کی اور فرمایا: ''تم دوسرے کے کسی ایسے عمل پر کیسے ہنس سکتے ہو جو خود تم سے بھی سرزد ہوتا ہے''۔(بخاری:4942) ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مومن کے گناہ پر اس کو ذلیل اور شرمندہ کیا تو اس وقت تک اس کو موت نہیں آسکتی جب تک کہ وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے''۔(ترمذی:2505)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے ''بلائیں زبان کے ساتھ معلق ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں کتے کی بھی تحقیر کروں تو کہیں میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں''۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے تھے ''جب میں کسی کی بُری بات کو جانتا ہوں تو مجھے اس کی غیبت کرنے کی اس لئے ہمت نہیں ہوتی کہ کہیں میں خود اس میں مبتلا نہ کر دیا جاؤں''۔ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ایک شخص کو اس کی نادانی پر عار دلائی تھی تو چالیس سال بعد میں خود اس میں مبتلا کر دیا گیا''۔

بہر حال یہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے، آدمی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور کسی کی بھی تحقیر، دل آزاری، بے آبروئی و رسوائی اپنے قول، فعل، اشارے کنائے کسی طرح سے بھی ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ اللہ پاک توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(۱۲) دوسروں کے راز فاش کرنا

کسی کا راز فاش کرنا اور دوسرے پر ظاہر کر دینا بھی زبان کی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت اور سخت ترین گناہ کی بات ہے، اگر کسی شخص نے کسی کے سامنے کوئی بات رازدارانہ طور پر کہی ہو یا اس کے طرزِ عمل سے سمجھ میں آتا ہو کہ وہ کسی اور کو بتانا نہیں چاہ رہا ہے تو ایسی

باتیں ــــ چاہے وہ حکومت یا کسی تنظیم وادارہ سے متعلق ہوں یا کسی فردِ واحد کی اپنی مصلحت سے متعلق ہوں ــــ اس کی مرضی واجازت کے بغیر کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیئے، ایسی باتیں مومن کے پاس امانت ہوتی ہیں اور امانت کو ضائع کرنا یا اس میں خیانت کرنا بہت بڑے گناہ کی بات ہے، کتاب وسنت میں اس کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ .... الاٰیۃ) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور اپنی امانتوں میں بھی جانتے بوجھتے خیانت مت کرو'' (الانفال: ۲۷) ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ منافقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات سنتے تو اسے مشرکین تک پہونچا دیتے تھے، اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک منافق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک راز ابوسفیان کے پاس پہونچا دیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی.... بہر حال کسی کا راز فاش کرنا خیانت میں داخل اور حرام ہے۔ (کتب تفسیر) سورۃ التحریم کی پہلی آیت بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی جب کہ ایک زوجۂ محترمہ نے رازِ نبی دوسری زوجۂ محترمہ پر ظاہر فرما دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر کے انہیں سخت تنبیہ فرمائی جس سے اس عمل کے سخت ناپسندیدہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''جب بھی کسی نجی مجلس میں شرکت کرو تو ایمانداری کے ساتھ کیا کرو'' (بخاری: 7604) حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کا رشتہ پیش کیا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کی، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرما لیا تب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بتلایا کہ میرے جواب نہ دینے کا آپ بُرا نہ مانیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ارادے کی مجھے خبر تھی مگر میں اس وقت کچھ بھی بتا تا تو راز فاش کرنے کا مجرم بن جاتا اس لئے میں خاموش رہا'' (بخاری: 5145) ایک حدیث میں ہے کہ ''جب تم سے کوئی آدمی بات کر رہا ہو اور اِدھر اُدھر بھی دیکھ رہا ہو کہ کہیں کوئی اور سُن نہ لے تو تم سمجھ جاؤ کہ یہ بات وہ تم سے امانتاً بتا رہا ہے''۔ (ترمذی: 1959)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''یہ بات بھی خیانت میں داخل ہے کہ تم اپنے بھائی کا بھید کسی اور کے سامنے کھول دو''۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ ''بیٹا! تمہیں حضرت عمرؓ نے اپنا مقرب اور مُشیر بنایا ہے تم میری پانچ باتوں پر سختی سے عمل کرتے رہنا، ان کے سامنے کسی کا راز فاش نہ کرنا، کسی کی غیبت نہ کرنا، کبھی جھوٹ نہ بولنا، کسی حکم کی نافرمانی نہ کرنا، ان کے ساتھ کسی قسم کی خیانت نہ کرنا۔

بہر حال ایک دوسرے کے رازوں کو امانت سمجھنا چاہیئے، ان کی ساتھ امانت جیسا معاملہ کرنا اور ہر قسم کی خیانت اور اظہار سے بچنا لازم ہے، اس کی خلاف ورزی یعنی رازوں کو فاش کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ایک حکیم نے بہت حکمت کی بات کہی ہے کہ ''دل رازوں کا خزانہ ہے، ہونٹ اس کا تالا ہیں اور زبان اس کی کنجی، پس اس کنجی کو حفاظت سے رکھو کہیں یہ خزانہ کھل نہ جائے اور راز چوری نہ ہو جائیں''۔

(۱۳) جھوٹا وعدہ کرنا

جھوٹا وعدہ کرنا بھی آفات لسانی میں داخل اور گناہِ کبیرہ ہے، حدیث میں اس کو منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔ (يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ) ''اے ایمان والو! وعدے وفا کیا کرو'' (المائدہ : ۱) دوسری جگہ ارشاد ہے: (وَأَوْفُوا۟ بِٱلْعَهْدِ ۖ إِنَّ ٱلْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔولًا) ''عہد کی پاسداری کرو، اس لئے کہ ان کے بارے میں (عنداللہ) مواخذہ ہوگا'' (بنی اسرائیل: ۳۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''وعدہ ایک قسم کا قرضہ ہے۔ یعنی جیسے قرض لینے کے بعد ادا کرنا لازمی اور ضروری ہوتا ہے، اسی طرح وعدہ پورا کرنا بھی لازم اور ضروری ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''تین باتیں ایسی ہیں وہ جن میں پائی جائیں گی وہ منافق ہے چاہے نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور کہتا ہو کہ میں مسلمان ہوں'' ان تین باتوں میں سے ایک بات وعدہ خلافی بھی ہے۔ (بخاری:33) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے وفات سے قبل فرمایا: ایک قریشی نے میری بیٹی کے لئے پیغام دیا تھا، مجھے شبہ ہے کہ شائد میں نے اس سے وعدہ

کرلیا تھا، اگر میں نے وعدہ کرلیا تھا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک تہائی نفاق لے کر کیسے حاضر ہوسکوں گا؟ میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کردیا ہے‘‘ ۔ذرا غور کریں صحابہ کرامؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبروں پر کتنا یقین تھا اور وہ اس کی خلاف ورزی کے انجام سے کتنا ڈرتے تھے، اللہ اکبر!۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبد اللہ ابن ابی الحمساء نے وعدہ لیا تھا کہ آپ یہاں ٹھیریں میں یہیں آکر ملوں گا، پھر وہ بھول گئے، تیسرے دن جب انہیں یاد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جگہ ان کے انتظار میں پایا، تین دن کسی ایک جگہ ٹھیرنے کی زحمت تو گوارا فرمائی مگر وعدہ خلافی نہ کی ۔(ابو داؤد: 4996) حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ وعدہ نباہنے کی خاطر ایک مقام پر بائیس دن تک مقیم رہے، اس لئے انہیں قرآن کریم میں ’’صادق الوعد‘‘ کے لقب سے ذکر کیا گیا۔ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالہثیم نامی ایک شخص سے غلام دینے کا وعدہ فرمایا تھا، اتفاق سے کہیں سے آپ کے پاس تین غلام آئے گئے، آپ نے دو تو اسی وقت تقسیم کردیئے ایک باقی رہا، حضرت علیؓ کے کہنے سے حضرت فاطمہؓ نے آپ کو اپنی مشکلات اور چکی پیسنے کی مشقت بتاکر وہ غلام اپنے لئے طلب کیا، آپ نے یہ کہتے ہوئے غلام انہیں دینے سے معذرت فرمادی کہ ’’میں ابوالہثیم سے وعدہ کیا ہوا ہوں اس وعدے کا کیا ہوگا؟ پھر آپ نے حضرت فاطمہؓ کو غلام کے بجائے ایک تسبیح پڑھنے کے لئے فرمایا‘‘ ۔(احیاء علوم الدین: ۱۷۱/۳) دیکھئے کس طرح اپنی بیٹی اور محبوب ترین بیٹی کی راحت کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کو ترجیح دی۔

بہر حال! جب وعدہ وفا کرنا اور عہد کرکے توڑ دینا بہت بڑا گناہ ہے تو آدمی کو وعدہ کرتے وقت ہی اچھی طرح غور کرلینا چاہیئے کہ اس کو پورا کرنا اس کے بس میں ہے یا نہیں؟ اگر ممکن ہو تو وعدہ کرے اور اگر مشکل ہو تو وعدہ نہ کرے، کیوں کہ جھوٹا وعدہ کرنا بہت بڑا گناہ اور آفت اللسان ہے، ہاں اگر وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کا اطمینان ہو اور ارادہ بھی یہی ہو مگر بعد میں کوئی ایسا مانع پیش آجائے جس کی بنا پر وعدہ وفا نہ ہوسکے تو پھر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۱۴) جھوٹ بولنا جھوٹی قسم کھانا

جھوٹ بہت بڑا گناہ، منافقوں کی علامت اور زبان کی آفتوں میں سے ایک مہلک آفت ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی مذمت بیان فرمائی ہے مثلاً (وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ) ''اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے لوگ ہیں'' (المنافقون:۱) (وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ) ''منافقوں کے لئے دردناک عذاب ہے، ان کی جھوٹی باتوں کی وجہ سے'' (البقرہ:۱۰) (اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ) ''(جھوٹ نبی نہیں گڑھتے) جھوٹ تو وہی لوگ گڑھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایمان نہیں لائے، اور وہی لوگ جھوٹے ہیں''۔ (النحل:۱۰۵)

مذکورہ تینوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنا مسلمانوں کا کام نہیں منافقین اور بے ایمان لوگ جھوٹ بولتے ہیں، ایک جگہ تو جھوٹ اور بت پرستی کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے (فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾) ''لوگو! بتوں کی پرستش سے بچو اور جھوٹ بولنے سے بچو''۔ (الحج:۳۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ''یقیناً جھوٹ برائیوں کی راہ دکھاتا ہے، اور برے کام جہنم کی طرف لے جاتے ہیں، آدمی جھوٹ بولتے بولتے اتنا بڑا جھوٹا بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے'' (بخاری:۸/۳۰) ایک حدیث میں ہے کہ ''اس آدمی کے لئے بربادی ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ گڑھے، اس کے لئے بربادی ہے، اس کے لئے بربادی ہے'' (ترمذی:2315) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جھوٹ کو ''اکبر الکبائر'' یعنی بدترین گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ (بخاری:6675)

ان تمام احادیث سے جھوٹ کی مذمت اور اس کا سخت ناپسندیدہ عمل ہونا معلوم ہو رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ مومن تو مومن ہے عام شریف انسان خواہ کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہو

جھوٹ کو برا سمجھتا ہے، حضرت ابوسفیانؓ سے اسلام لانے سے قبل نجاشی نے اپنے دربار میں بلا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں چند باتیں پوچھی تھیں، انھوں نے باوجود عداوت ودشمنی کے سب باتیں سچ سچ بتلائیں، بعد میں کہا کہ اگر جھوٹ کا داغ لگنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں سچ نہ بولتا، دیکھئے کس طرح ایک شریف آدمی عزتِ نفس کی خاطر اپنے دشمن کے خلاف بھی جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کر سکا۔

یہ تو تھی جھوٹی بات کی مذمت! جہاں تک جھوٹی قسم کے مذموم ہونے کا معاملہ ہے تو کتاب وسنت میں اس کی طرف بھی بہت توجہ دلائی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک اور والدین کی حق تلفی کے بعد سب سے بڑا گناہ جھوٹی قسم کو قرار دیا ہے۔(بخاری: 6920) ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے فرمایا: ''اگر یہ (مدعی علیہ) تمہارے مال کو ظلماً ہڑپ لینے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہو گا کہ اللہ پاک اس سے منہ پھیرے ہوئے ہوں گے''۔(بخاری: 7184) ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تاجر لوگ ہی فاجر لوگ ہیں، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! ایسا کیوں؟ کیا تجارت کو اللہ نے حلال نہیں فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں ؟ لیکن یہ تاجر لوگ (عام طور سے) جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور جھوٹی باتیں بولتے ہیں''(مسند احمد: ۳/ ۴۲۸) ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص کسی دوسرے کا مال ہڑپنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام پر جھوٹی قسم کھائے وہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ وہ اس پر غصہ ہو گا''

(بخاری:4549)

ان احادیث مبارکہ سے اچھی طرح پتہ چل گیا کہ جھوٹی قسم کھانا بدترین گناہ ہے، پس اس سے بچنا ایک مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے، حق تعالیٰ اپنے فضل سے جھوٹ بولنے سے بھی اور جھوٹی قسم کھانے سے بھی ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

(۱۵) کسی کی غیبت کرنا

غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کا اس کے پیٹھ پیچھے ایسا تذکرہ کرنا جو اگر اس کے علم میں آجائے تو اس کو برا لگے، خواہ وہ کسی قسم کی برائی سے متعلق کیوں نہ ہو، پھر اگر وہ عیب اس کے اندر موجود ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر اس کے اندر وہ عیب نہیں ہے تو یہ بہتان ہے اور اگر محض سنی سنائی بات ہے تو یہ اِفک کہلاتا ہے اور تینوں کا ذکر اور مذمت قرآن کریم میں موجود ہے۔

غیبت زبان کی آفتوں میں سے ایک خطرناک آفت اور سخت مذموم حرکت ہے، ارشاد ربانی ہے (وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ...الاٰية) ''اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟'' (الحجرات: ۱۲) یعنی کسی مسلمان کو اس کے پیٹھ پیچھے برائی سے یاد کرنا اور اس کے عیوب ظاہر کرنا مُردہ انسان کا گوشت کھانے کی طرح سخت مکروہ اور مذموم کام ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا (وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ) ''بڑی بربادی ہے ہر اس شخص کے لئے جو کسی کے سامنے برائی کرے اور اس کے لئے بھی جو کسی کے پیٹھ پیچھے برائی کرے۔

(الھمزہ:۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو حرام ہے''۔ (ترمذی:1927) یعنی ان تین چیزوں کی حفاظت فرض ہے اور ناحق ان کا ضائع کرنا حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''غیبت سے بچو، کیوں کہ غیبت زنا سے بھی بدترین گناہ ہے، زنا کرنے والا اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے مگر غیبت کرنے والا توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ تب تک معاف نہیں فرماتا جب تک کہ جس کی غیبت کی ہے وہ معاف نہ کردے'' (مجمع الزوائد ۸/۹۱) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کے دوران مشاہدہ میں آئے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''پھر میں ایسے لوگوں کے پاس سے گذرا

جو اپنے ہی ناخنوں سے اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے، میں نے جبرئیل ؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (اور کیوں ایسی حرکت کر رہے ہیں؟) تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبتیں اور ان کی آبروریزی کیا کرتے تھے''۔ (مسند احمد: ۲۲۴۱/۳) ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''جو لوگ اپنی زبانوں سے اسلام کا اظہار کر چکے ہیں مگر ابھی تک ان کے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا وہ لوگ اچھی طرح سن لیں (میں انہیں ہدایت دے رہا ہوں کہ) ''کسی مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، اس لئے کہ جو مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کا تعاقب کرے گا اور جس کے عیوب کا اللہ تعالیٰ تعاقب کرے گا اسے اس کے گھر کے اندر ہی رسوا کر کے رکھ دے گا''۔ (ترمذی :2032) ایک حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی ؓ کے غلام ماعز پر زنا کی حد جاری کرتے ہوئے سنگسار کروایا تو ایک صاحب نے اپنے ساتھی سے کہا: یہ ایسا مارا گیا جیسا کہ کتے کو مار دیا جاتا ہے، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانے لگے تو آپ کے ساتھ یہ دونوں صاحبان بھی تھے، راستے میں ایک مردار گدھا پڑا ہوا ملا، آپ نے ان دونوں سے فرمایا'' اس میں سے نوچ کے کھاؤ'' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس مردار میں سے کیسے کھائیں ہم؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی مسلمان پر جو تم لوگوں نے تبصرہ کیا تھا وہ اس سے زیادہ سڑا ہوا تھا''۔ (ابوداؤد:4428) یعنی اس سزا یافتہ مسلمان کی غیبت کرنا مردار کھانے سے زیادہ مکروہ عمل تھا۔

حضرت حسن بصری ؒ فرماتے تھے ''غیبت آدمی کے دین کو اس سے زیادہ تیزی سے کھا جاتی ہے جتنا کہ کینسر کے جراثیم جسم کو کھا جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ ؒ فرماتے تھے ''قبر کا عذاب تین وجھوں سے ہوتا ہے، پیشاب سے احتیاط نہ کرنے سے، چغل خوری کرنے سے اور غیبت کرنے سے۔

پس ہر مومن کو چاہیئے کہ اس بدترین گناہ سے — جو اب عام ہو چکا ہے — اپنے کو دور رکھنے کا اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

(۱۶) چغل خوری کرنا

آفاتِ لسانی میں سے ایک آفت نمیمہ یعنی چغل خوری کرنا ہے، نمیمہ یا چغل خوری کا مطلب ہے ادھر کی بات اُدھر لگانا، مثلاً کسی شخص سے مل کر یہ کہنا کہ فلاں صاحب آپ کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے، یا پھر یوں کہہ لیجئے کہ ایسی باتوں کا ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کرنا جن کا ظاہر کرنا ناپسندیدہ ہے، اور یہ نقل واظہار ضروری نہیں ہے کہ زبان ہی سے ہو تحریراً بھی ہوسکتا ہے، اشارے کنائے سے بھی ہوسکتا ہے۔ بہرحال نمیمہ کی حقیقت بھیدوں کا ظاہر کرنا اور عیبوں کی پردہ دری کرنا ہے، اور یہ بہت معیوب حرکت اور مذموم گناہ اور عذاب کا سبب ہے۔

قرآن کریم میں ایک کافر بدمعاش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے (هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ..... الآیة) ''طعنے دینے والا، چغل خوری کرنے والا، بھلے کاموں سے روکنے والا ضدی گنہگار اور مزید یہ کہ حرامی بھی ہے'' (القلم: ۱۱ تا ۱۳) زنیم ایسے حرامی کو کہتے ہیں جس کے پیٹ میں کوئی بات نہیں ٹکتی یعنی لگائی بجھائی کرتا رہتا ہے۔ (وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ) (الھمزہ: ۱) **ھمزہ** چغلی کھانے والے کو کہتے ہیں۔ ابولہب کی بیوی کے بارے میں خبر دی گئی کہ وہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ تھی یعنی باتیں اٹھائی پھرتی اور چغل خوری کرتی رہتی تھی۔ حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی کافر بیویوں کے تذکرے میں فرمایا: (كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ... الآیة) ''یہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی تو وہ نیک بندے ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے، اُن سے کہا گیا جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ'' (التحریم: ۱۰) حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی لوگوں کو جاکر مہمانوں کی اطلاع دیتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی جاکر کہتی تھی کہ وہ مجنون ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''جنت میں چغل خور داخل نہیں ہوسکتا'' (بخاری: 6056) ایک حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ناپسندیدہ ہیں جو چغل خوری کرتے، بھائی چارگی کو توڑتے اور نیک لوگوں کی برائیاں تلاش کرتے رہتے ہیں۔'' (مسندِ احمد:

18020)۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے بارے میں ایسی باتیں پھیلائے جن کے ذریعے مسلمانوں کی رسوائی ہوتی ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو رسوا فرمادے گا‘‘ (جامع صغیر۔التیسیر: ۲/ ۳۹۸)

کعب احبارؒ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سخت قحط پڑا، انہوں نے متعدد مرتبہ اللہ سے بارش کی دعا فرمائی مگر بارش نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جب تک آپ لوگوں میں ایک چغل خور موجود ہے میں آپ لوگوں کی دعا قبول کرنے اور بارش برسانے والا نہیں ہوں، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے اللہ! اگر وہ بندہ معلوم ہو جائے تو ہم اس کو اپنے درمیان سے نکال باہر کر دیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عجیب بات ہے بندوں کی جس حرکت سے ناراض ہوں وہی حرکت میں کروں کہ تمہارے سامنے کسی بندے کی برائی کرنے لگوں؟ اس کے بعد سب ہی لوگوں نے مل کر سچی توبہ کی اُن میں اس بندے نے بھی کر لی ہوگی، پھر بارش طلب کی تو بارش ہوگئی۔

مذکورہ آیات واحادیث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ چغل خوری یعنی لوگوں کی باتیں اِدھر اُدھر منتقل کرنا اور باہمی تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کرنا خواہ قصداً ہو یا عادتاً بہت بُری بات اور قابل ترک گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(۱۷) دوغلا پن کرنا

دوغلان پن یعنی دو دشمنوں یا اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک کے پاس جا کر تملق اور موافقت کی بات کرنا، اُس سے مل کر اس کی گانا اور وفاداری اور ہمدردی کی بات کرنا اس سے مل کر اس کی گانا اور اس کے ساتھ ہونے کا اطمینان دلانا، یہ بڑی خطرناک عادت اور بدترین بیماری ہے بلکہ سراسر منافقت اور زبان کی آفتوں میں سے ایک عظیم آفت ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’(اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ..... الآیۃ) جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب شیطانوں (یعنی کافروں) کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو

تمہارے ساتھ ہیں (وہاں تو ہم صرف اس لئے جاتے ہیں کہ ہم اُن کا استہزاء کریں' (البقرہ:۱۴) ایک اور مقام پر انہی کی حالت بتلاتے ہوئے فرمایا: (وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ ..... الآیۃ) '' کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں دنیا کی زندگی میں حالاں کہ وہ بدترین دشمن اور سخت جھگڑالو ہے''۔(البقرۃ: ۲۰۴) معلوم ہوا کہ ایسے دوغلے لوگ جو ہمارے سامنے بھی ہمدرد اور خیرخواہ بن کر آتے ہیں اور ہمارے مخالف یا حاسد کے پاس جا کر بھی دوستی اور خیرخواہی کی باتیں کرتے ہیں بدترین اور ناپسندیدہ لوگ ہیں، اور یہ عادت مذموم و قابل اصلاح عادت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے'' جو شخص دنیا میں دومنھ والا ہے آخرت میں اس کے منھ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی'' (ابوداؤد:4873) ایک حدیث میں ہے کہ'' قیامت کے دن سب سے بُرے لوگ وہ ہوں گے جو دومنھ والے ہیں، اس کے پاس اس منھ سے آتے ہیں اور اُس کے پاس اُس سے منھ سے'' (بخاری:6058)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ'' دوغلا آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایماندار نہیں ہوسکتا'' مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں'' جب آدمی اپنے ساتھی کے ساتھ دوغلاپن کرے تو سمجھ لو کہ امانت ختم ہوگئی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے آدمی کو ہلاک فرمادے گا'' یعنی سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے'' تم میں سے کوئی إمّعہ یعنی ہوا کے رُخ پہ چلنے والا نہ بنے'' امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ'' دورُخا اور دوغلاپن بہ اجماع امت نفاق ہے اور اس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ دورُخاپن بہت مذموم اور گندی عادت ہے جو گھٹیا اور چاپلوس قسم کی ذہنیت سے وجود میں آتی ہے، اس بُری عادت کی وجہ سے سماج پر بہت خراب اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس لئے اپنے آپ کو ایسی حرکات سے دور رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(۱۸) منھ پر کسی کی تعریف کرنا

کسی شخص کی اس کے منھ پر تعریف کرنا اور خوبیوں کو بیان کرنا کبھی مفید ہوتا ہے اور کبھی مضر! مثلاً زیر تربیت لوگوں کی اچھی محنت اور بہتر کارکردگی کی تعریف کرنا یا تحریص وتشویق کے طور پر ان کی ہمت افزائی کرنا، یہ اور اس قسم کے دیگر مواقع پر کسی کی اس کے سامنے تعریف کرنا کوئی بُری بات نہیں بلکہ مسنون و معقول عمل ہے۔ اس کے برخلاف نفسانی اغراض تملق و چاپلوسی کے طور پر کسی کی تعریف کرنا نہایت مذموم و مبغوض عمل ہے، نیز فساق وفجار اور حکام کو جھوٹی تعریفوں کے ذریعہ بڑھا ناچڑھانا بھی اسی میں داخل ہے، زبان کی آفتوں کے سلسلے میں اس عنوان کے تحت دوسری قسم کی نامعقول اور ناپسندیدہ تعریفوں کی مذمت بیان کی جارہی ہے۔

کسی کی اس کے سامنے تعریف کرنے میں چھ خرابیاں لازم آتی ہیں، ان میں سے دو کا تعلق مادح یعنی مدح کرنے والے سے ہے اور دو کا ممدوح یعنی جس کی تعریف کی گئی ہے اس سے ہے۔ مدح کرنے والے کی چار خرابیاں یہ ہیں؛ ۱ ؎ وہ تعریف کرنے میں مبالغہ کرتا ہے جس کے نتیجہ میں جھوٹ تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ ۲ ؎ اس کے اندر ریاکاری پیدا ہو جاتی ہے کیوں کہ منھ پر تعریف کرکے وہ اپنے دل میں اس کی محبت ہونے کا اظہار کرتا ہے جب کہ عام طور سے ایسی محبت اس کے دل میں نہیں ہوتی جیسی ظاہر کررہا ہوتا ہے اور یہ منافقانہ ریا ہے ۳ ؎ ایسی تعریفوں میں وہ خوبیاں بھی بیان ہو جاتی ہیں جن کی اس کو تحقیق نہیں اور تحقیق کی اس کے پاس کوئی صورت بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کسی کے نمازی اور خیراتی ہونے کی تعریف تو صحیح ہوسکتی ہے لیکن متقی پرہیزگار اور مخلص ہونے کی تعریف صحیح ہونا اکثر ممکن نہیں کیوں کہ اس کی تحقیق مشکل کام ہے۔ ۴ ؎ اس کے ذریعہ سے مادح ممدوح کو خوش کرتا ہے جب کہ بدعتیوں اور فاسقوں ظالموں کو ان کی تعریف کرکے خوش کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے۔ یہ تو ہوئیں مادح یعنی تعریف کرنے والے کی آفتیں۔ ممدوح کے نقصان دو ہیں ۱ ؎ ایسی تعریفات سے اس کے دل میں عجب کبر اور خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے جو سراسر نقصان و

خسران ہے۔ ۲۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ جب اس کی تعریفیں ہوں گی تو وہ مطمئن ہو جائے گا اور سمجھے گا کہ میں نے اس میں کمال حاصل کرلیا ہے، اس طرح ذوقِ عمل اور اندیشۂ قصور وکمی ختم ہو جائے گا یہ بھی آدمی کے لئے بڑے خسارے کی بات ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ناحق تعریفیں کرنے سے بچو اس لئے کہ یہ (مدح نہیں) ذبح ہے'' (ابن ماجہ: 3743) یعنی اس کے اخلاق واخلاص کی تباہی کا ذریعہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''جب تم نے اپنے بھائی کی منہ پر تعریف کی تو گویا تم نے اس کے حلق پر اُسترہ چلا دیا'' (الزھد لابن مبارک: ۲/ ۱۳) یعنی گویا قتل کردیا۔ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی صاحب کی تعریف کی، آپ نے تعریف کرنے والے سے فرمایا: ''تم نے اپنے بھائی کی گردن ہی اڑادی، اگر وہ سن لے گا تو ناکام ہو جائے گا''[1]۔ (بخاری: 2662) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے تو اس آدمی کی کمر ہی توڑ دی'' (بخاری: 2663) ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی، وہاں صحابیٔ رسول حضرت مقداد رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے فوراً اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر تعریف کرنے والے کے منہ پر مٹی پھینکنی شروع کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''منہ پر تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی بھر دو''۔ (مسلم: ۷۶۷۸)

احادیث بالا سے اچھی طرح معلوم ہوا کہ بعض اوقات اور بعض لوگوں کے لئے اس قسم کی تعریفیں سخت مُضر گناہ کا سبب اور منافقوں کی صفت ہے۔

بہ ہر حال کسی کی بھی اس کے سامنے تعریف کرنے سے پہلے غور کرلینا چاہیئے کہ اس سے ہمارا مقصد کیا ہے؟ اور یہ کہ یہ تعریف اس شخص کے حق میں مفید ہے یا نہیں؟ محض اغراض کے لئے اور چاپلوسی کے طور پر لوگوں کی تعریفیں کرتے رہنا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے اور یہ بھی زبان کا غلط استعمال ہے۔

---

[1] خط کشیدہ جملہ بخاری میں نہیں ہے۔

(۱۹) باریک لفظی خطاؤں کا احساس نہ کرنا۔

انسان گفتگو کے دوران بہت سی دفعہ ایسے الفاظ یا ایسی تعبیرات استعمال کرتا ہے یا بے اختیار زبان سے سرزد ہو جاتی ہیں جو بہت نامناسب اور خلاف اصول ہوتی ہیں، بالخصوص دینی امور میں یعنی عقیدوں اور مسئلوں کے معاملے میں تو ذرا سی غفلت اور تعبیر کی کوتاہی مفہوم و معنی کے بدل جانے بلکہ کفر تک پہونچ جانے کا سبب بھی بن سکتی ہے، اس لئے یہ غفلت بھی زبان سے صادر ہونے والی خطاؤں میں ایک اہم خطا اور آفات اللسان کا حصہ ہے۔ اس قسم کی غلطیوں پر جید علماء اور زبان و بیان کے ماہرین کی نظر ہی جا پاتی ہے، اس لئے عوام الناس اور کم علم علماء کو بھی غایت احتیاط کے ساتھ گفتگو کرنا چاہئے، ذیل میں چند مثالیں ایسی غلطیوں اور ان پر تنبیہ کی پیش کی جا رہی ہیں، اُن کو سامنے رکھ کر غور کریں گے تو سینکڑوں مثالیں سامنے آتی چلی جائیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں (تو یہ کام ہو سکتا ہے) بلکہ یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں پھر آپ چاہیں'' (ابوداؤد: 4980) یعنی اللہ تعالیٰ اور بندے کی مشیت کو ایک ساتھ نہ بیان کرے، اس لئے کہ اصل تو اللہ تعالیٰ کی ہی مشیت ہے بندے کا چاہنا بعد کی بات ہے، دونوں کو ایک جیسا دکھانا حق تعالیٰ کے مقام و احترام کے خلاف ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے اسی طرح ملا کر ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ''کیا تم مجھے اللہ تعالیٰ کے برابر بنا دینا چاہتے ہو؟ (نسائی: ۶/۲۴۵) اسی طرح ایک خطیب نے آپ کے سامنے (و من یعصھما) کہا یعنی جو اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کرے تو آپ نے اسے ناپسند کرتے ہوئے فرمایا ایک ہی ضمیر میں اللہ اور اس کے رسول کو جمع کرنے کے بجائے الگ الگ کر کے (و من یعص اللہ و رسولہ) کہنا چاہیئے تھا۔ (ابوداؤد: 4981) بعض لوگ عنب یعنی انگور کو کرم کہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عنب کو کرم نہ کہو کرم تو مومن کا قلب ہے'' (مسلم: 2247) عبد اور عبادت کا لفظ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں کو تاکید فرمائی ''کوئی بھی اپنے

غلام باندیوں کے لئے عبد اور امة کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ اس کے بجائے غلام، جاریہ، فتی یا فتاة جیسے متبادل الفاظ استعمال کرلے، اسی طرح غلام اپنے آقاؤں کے لئے رب کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے سید اور سیدة کے الفاظ استعمال کیا کریں، کیوں کہ رب تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں'' (بخاری:2552) بعض لوگ جذبات میں آکر بڑی بڑی باتیں کہہ دیتے ہیں مثلاً اگر میں غلط ہوں تو اسلام سے بری ہوں وغیرہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سنگینی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر اس نے جھوٹی بات پر ایسا کہا تو ایسا ہی ہو گیا اور اگر سچی بات پر کہا تب بھی اس گستاخی کے بعد اپنے اسلام کو پوری طرح بچا تو نہیں سکے گا''

(ابوداؤد:3258)

اسی طرح عام بول چال میں بھی خلافِ تہذیب وادب الفاظ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہیں تھا، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں: ''کوئی آدمی اپنی طبیعت کے بارے میں یوں نہ کہے کہ خبیث یعنی گندی ہو رہی ہے بلکہ یوں کہے لقست یعنی متلا رہی ہے، گِراں ہو رہی ہے'' ایک آدمی نے یہ پوچھا أَ أَلِجُ کیا میں گھس سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو ''أَأَدخُلُ کہے۔ وغیرہ

ابراہیم نخعیؒ فرماتے تھے ''اگر کوئی شخص کسی آدمی کو خنزیر کتا وغیرہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس سے پوچھیں گے کہ کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں نے اس کو خنزیر بنایا یا کتا بنایا تھا؟''۔

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں تو اللہ و رسول اور دین کے معاملے میں بھی لوگ ایسے غیر محتاط کلمات کہتے ہیں اور ایسی نامناسب اور بھونڈی تعبیرات بہ آسانی استعمال کر لیتے ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو مستقل رسالہ بن جائے چوں کہ یہاں صرف زبان کی لغزشوں اور آفتوں کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے، اور عقل مند کو اشارہ کافی کے تحت امید ہے کہ سالکین راہ بولنے سے پہلے غور کرنے اور سوچنے کا اہتمام کرنا شروع کر دیں گے۔

امام غزالیؒ نے اس مضمون کے اختتام پر فرمایا کہ: زبان کی آفتوں سے بچنے کے لئے من صمت نجا کے نبوی نسخے سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین

(۲۰) اللہ تعالیٰ کی صفات میں عوام کا گفتگو کرنا

اسلامی عقائد کا تعلق غیب کے امور سے ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے لے کر جنت دوزخ تک جتنے بھی عقیدے ہیں وہ عالم غیب سے ہی متعلق ہیں، ہمیں اُن کی خبر اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ پہونچی ہے، اور ان کو وحی الٰہی کے ذریعہ۔ اُن عقائد میں سب سے اہم عقیدے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسماء وافعال سے متعلق ہیں، ان کو اسی طرح ماننا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے لازم اور ضروری ہے، ان کی تفصیل اور گہرائی میں جانا عوام تو عوام خود علماء کے لئے بھی سخت نقصان دہ ہے، اس سلسلے میں اہل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ اس طرح کی جتنی باتیں قرآن وسنت میں ملتی ہیں وہ برحق ہیں، ان کو اُن کے مفہوم ومعنی کے مطابق صحیح سمجھنا اور ان کی کیفیت وحقیقت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہیئے، اگر کوئی شخص ان باتوں کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتا ہے تو چوں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ علم بندوں کو نہیں دیا ہے اس لئے وہ اس کی حقیقت تک پہونچ ہی نہیں سکتا، اور جو کوئی اس کے بارے میں جاننے کا دعوی کرتا ہے تو وہ محض جھوٹا ہے اور اس کا دعویٰ سراسر باطل اور کفر والحاد ہے۔

یہی بات آفات اللسان کے اس آخری نمبر کے تحت بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسماء وافعال کے بارے میں بتلائی گئی باتوں پر سیدھے سادے طریقہ پر ایمان لانے کے بجائے اُن کی باریکیوں میں جانا اور اُن کے حقائق جاننے کے لئے طرح طرح کے سوالات اٹھانا ہر کسی کے لئے بالخصوص عوام الناس کے لئے سخت خطرے کی بات ہے، حتی کہ ایسے لوگوں کا ایمان سلامت رہ جانا بھی مشکل ہے؛ آج کل لوگوں کو ایسی ہی باتوں میں زیادہ دلچسپی ہے اور یہ پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ”عوام الناس کا کام کتاب وسنت میں دئے گئے احکام کو سیکھنا اور ان پر اہتمام سے عمل کرنا ہے مگر یہ کام نفس پر بہت گراں ہے، اُس کے مقابلے میں

فضول باتوں میں لگنا بہت آسان کام ہے، جاہل چند باتیں جان لیتا ہے تو اس فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت علم وفضل والا ہے، شیطان اس کو غیر ضروری مباحث میں لگاتے لگاتے ایسی باتوں تک پہونچا دیتا ہے جن میں زبان کھولنا اور گفتگو کرنا قطعاً حرام ہے، حق یہ ہے کہ ایسے لوگ کسی بڑے سے بڑے کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو جاتے تو اتنا خطرناک نہ ہوتا جتنا کہ اس قسم کے نازک علمی مباحث اور دقیق مسائل میں دخل دینا ان کے لئے خطرناک ہے، بالخصوص باری تعالیٰ کی ذات وصفات میں دخل دینا تو حد درجہ خطرناک ہے۔ ان کا کام تو بس اتنا تھا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماننے کو کہا ہے انہیں بعینہ مان لیتے اور جو کچھ کرنے کو کہا ہے جی جان سے اس میں لگ جاتے، وہ عبادات اور باہمی معاملات ومعاشرت کی باتیں سیکھنے کا حق تو رکھتے ہیں لیکن عقائد کی باریکیوں میں جانے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا ان کے لئے حق تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے۔ عوام الناس کا اعتقادی مسائل میں سوالات کرنا ایسا ہی ہے جیسے بادشاہوں کا خادم جو جانوروں کی نگہداشت کرنے پر مقرر ہے بادشاہ کے رازوں کو معلوم کرنے کی فکر میں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”میں جو کچھ بتا دیا ہوں بس اسی پر قائم رہو اور بے ضرورت سوالات مت کرو، تم سے پہلی امتیں زیادہ سوالات اور بے ضرورت مسائل میں پڑ کر ہی ہلاک ہوئی ہیں، (صحیح طریقہ یہ ہے کہ) جس کام سے میں نے روکا ہے اس سے رک جاؤ اور جن کاموں کا میں نے حکم دیا ہے ان کو جہاں تک ہو سکے بجالاؤ“ (بخاری:7288)

پس معلوم ہوا کہ عوام کا ضروری علم حاصل کرنے اور بندگی واطاعت میں لگے رہنے کے بجائے طرح طرح کے سوالات اٹھانا، بے ضرورت باتیں پوچھنا بالخصوص اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات واسماء اور افعال کی حقیقت جاننے کی کوشش کرنا دین تو دین اپنے ایمان کو بھی غارت کر لینے کا سبب ہے، اس لئے اپنی زبان کو اس رذیلے سے بھی بچائے رکھنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین